اِقبال اور مشرقی

تبصرہ بر تذکرہ

غلام قدیر خواجہ ایڈووکیٹ

اقبال اور مشرقی

تبصرہ بر تذکرہ

غلام قدیر خواجہ ایڈووکیٹ

الفیصل
ناشران و تاجرانِ کتب
اردو بازار لاہور

محمد فیصل نے
تعریف پرنٹرز لاہور سے چھپوا کر شائع کی

انتساب

پاک و ہند کے ان گمنام شہیدوں کے نام

— جن کی —

برطانوی استعمار کے خلاف طویل انقلابی جدوجہد

— عظیم قربانیوں کا پھل —

استعمار کی پروردہ نسل کی باقیات ہی کھا رہی ہیں!

نیرنگئ سیاست دوراں تو دیکھئے
منزل انہیں ملی جو شریک سفر نہ تھے

پیش لفظ

گورنمنٹ کالج لاہور کے مجلہ "تحقیق نامہ" سال ۹۵-۱۹۹۴ء میں علامہ محمد اقبال کے نو عدد غیر مطبوعہ خطوط، جو انہوں نے اپنے مقرب خاص، ہمدم و ہمراز چوہدری محمد حسین کے نام ۱۶ جولائی ۱۹۲۴ء سے ۱۱ اکتوبر ۱۹۳۴ء کے دوران لکھے تھے، شائع ہوئے۔ ان خطوط کو روزنامہ "نوائے وقت" نے ۲۱ اپریل ۱۹۹۶ء کے اقبال ایڈیشن میں چوہدری محمد حسین کے نام علامہ اقبال کے چند غیر مطبوعہ خطوط کے عنوان سے شائع کر کے تاریخ کی امانت کو قوم تک پہنچا دیا۔

ان خطوط میں صرف پانچ خط ایسے ہیں جن میں علامہ مشرقی کی شہرہ آفاق تصنیف تذکرہ، اور ان کے فارسی مجموعہ کلام "خریطہ" کے اردو دیباچہ کا تنقیدی انداز میں ذکر ہوا ہے جس سے ان دو بڑوں کے فکر و عمل سے متاثر قارئین اور معتقدوں کے ذہنوں میں لامحالہ شکوک و شبہات، الجھاؤ و کنفیوژن اور بدگمانیاں پیدا ہو سکتی ہیں۔

"خریطہ" علامہ مشرقی کے فارسی قطعات، غزلوں اور نظموں کا مجموعہ ہے جس کے اردو دیباچہ میں انہوں نے شعر و شاعری پر نقد و نظر، کے عنوان سے سخت تنقید کی ہے اور کسی قوم کی بہترین شاعری کے دور کو اس قوم کی پستی، زوال اور انحطاط کا تاریک دور قرار دیتے ہوئے شعر کو علم و عمل اور خبر و نبوہ کا نقیض بتایا ہے۔ عرب شاعری کے اوج کمال کے زمانہ کو "دور جہالت" ثابت کرتے ہوئے بتایا کہ

> "اخلاقی انحطاط عام ہو چکا تھا، خوبیاں یکسر زائل ہو گئی تھیں۔ ذلت و مسکنت سروں پر منڈلا رہی تھی مگر شعر اوج کمال پر تھا۔ لوگ سفر او زحضر میں، رزم و بزم میں بلکہ عالم خواب میں بھی شعر بے تامل کہہ دیتے۔ اگر شعر حقیقتاً علم کا کوئی مرتبہ رکھتا تو شعراء کے اس مردم خیز عہد کو "جاہلیت" کے زمانے سے موسوم کرنا ناروا تھا۔"

علامہ اقبال نے ان خطوط میں خریطہ کے اردو دیباچہ پر سخت تنقید کی ہے اور تذکرہ کو بھی اسرار و رموز کا نثری ترجمہ کہا ہے۔ ان خطوط نے صاحبان علم و تحقیق کے

لئے تلاش و جستجو کا ایک نیا باب کھول دیا ہے اور ماہرین علم و ادب اور فلسفہ و حکمت کو اس نئے موضوع پر تجزیہ و تحقیق کے جوہر دکھلانے کا موقعہ فراہم بھی کر دیا ہے کہ وہ تذکرہ، پر ڈاکٹر اقبال کے لگائے گئے الزامات کی تحقیق کریں اور علم کی کسوٹی پر انہیں پرکھیں۔

"خریطہ" کے دیباچہ میں علامہ مشرقی نے شعر شاعری پر جو جرح و قدح کی ہے اس کو بھی اقوام و ملل کے عروج و زوال کے تاریخی پس منظر میں قرآنی حکمت کی سان پر چڑھا کر دیکھیں۔ "گفتار و کردار" کے ان دو غازیوں کے فکر و بصیرت اور نور علم کا جائزہ لے کر اپنی تحقیقات قوم کے سامنے پیش کریں کہ یہ دونوں ہم عصر مشاہیر اپنے دور کی نابغہ ہستیاں ہیں جن کے قول و عمل نے برصغیر پاک و ہند کے لوگوں بالخصوص مسلمانوں کے سیاسی، سماجی اور مذہبی شعور کو براہ راست اور بلاواسطہ فکری اور عملی طور پر متاثر کیا اور اپنے اپنے رنگ میں بھی انہیں رنگ دیا تھا۔

دنیا کے وہ تمام مفکر و دانشور جو اپنی عظیم تصانیف کی بدولت "نیست پیغمبر و لے دارد کتاب" کے زمرہ میں آتے ہیں، ان کی ذات و شخصیت اور ان کی تصانیف پر کھلی آنکھوں اور کھلے دل کے ساتھ تحقیق کی جائے ان کے عہد کے تاریخی، سماجی اور نفسیاتی پس منظر کو اجاگر کر کے ان کے قول و عمل کا تفصیلی تنقیدی جائزہ لیا جائے اگر ان بڑی شخصیتوں کو خطاؤں اور غلطیوں سے پاک و صاف مان لیا جائے تو ان کو "بت" بنا کر تو پوجا جا سکتا ہے ان کے قول و فعل اور ان کے کام و پیغام سے کوئی رہنمائی حاصل نہیں کی جا سکتی۔

علامہ اقبال کو میں بچپن سے ہی عقیدت و احترام سے پڑھتا آ رہا ہوں اور علامہ مشرقی کے ساتھ زندگی کا بہترین حصہ جوانی کا زمانہ گزار چکا ہوں۔ انہیں قریب سے دیکھا ہے اور ان کی تمام تصانیف بھی میرے زیر مطالعہ رہ چکی ہیں اور ہیں۔ اس کے باوجود ان دو عظیم شخصیتوں کے علم و عمل پر لکھنا اگرچہ میں اپنا منصب نہیں سمجھتا پھر بھی اقبال کے ایک عقیدت مند اور مشرقی کے پیروکار کی حیثیت سے علامہ اقبال کے ان خطوط کو "فکر مشرقی" سے موازنہ کر کے زیر بحث لانا اس لئے ضروری سمجھا ہے کہ ان نجی خطوط

میں (جو کہ اب نجی نہیں رہے بلکہ تاریخی اور قومی ورثہ بن گئے ہیں) علامہ مشرقی کی ذات ان کی تصانیف تذکرہ، اور خریطہ، کو یک طرفہ طور پر، مقدمہ کے اصل فریق کو مقدمہ کا فریق بنائے بغیر، تنقید کا نشانہ بنایا گیا ہے۔

میری اس تصنیف "اقبال اور مشرقی" کا مقصد کسی ایک شخص کو دوسرے سے برتر ثابت کرنا بھی نہیں ہے کہ ہر شخصیت کا اپنا علمی و عملی میدان جدا تھا۔ اقبال اور مشرقی کے فکری موازنہ سے مجھے صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ قول و عمل اور گفتار و کردار کے شہسواروں کی شخصیتیں خواہ کتنی ہی بلند و بالا اور کتنی ہی بزرگ و برتر کیوں نہ ہوں۔ ان کے افکار، ان کا پیرائیہ اظہار، ان کا دعویٰ عشق و محبت اور ان کے اعمال و افعال غیر جانبدارانہ علمی تحقیق اور بے لاگ تنقید سے مبرا نہیں ہو سکتے کہ بہرحال یہ دونوں بزرگ رہنما انسان تھے۔ فرشتہ نہ تھے۔

چوہدری محمد حسین کے نام اقبال کے خطوط کی اشاعت اور ان میں مبینہ عائد الزامات بلکہ بعض سنگین الزامات کے بعد ان دونوں مشاہیر کے نثری اور شعری مجموعہ ہائے کلام میں ہم آہنگی، تضاد، بعد، توارد، سرقہ اور شنیدہ الزامات کا تحقیقی جائزہ لینا بے حد ضروری ہو گیا ہے۔ میری یہ ناچیز کوشش اس سلسلے کی پہلی کڑی یا بارش کا پہلا قطرہ ہے۔ مجھے امید ہے کہ اقبالیات کے شعبہ سے متعلق ادیب، دانشور، محقق اور نقاد اقبال اور مشرقی، پر اپنے تحقیقی کام کا آغاز کر دیں گے، اور پنجاب میں پیدا ہونے والے ان دو نابغوں نے بین الاقوامی عملی فورم پر اسلامی سیاست و تمدن، نظام معاشرت و تہذیب بنی نوع انسان کی وحدت و اخوت کے لئے کام کر کے اپنا جو مقام پیدا کیا ہے اور جسے جان بوجھ کر کسی سازش کے تحت یا جہالت و تعصب سے گھٹا یا بڑھا کر پیش کیا جاتا رہا ہے، ان کے کام اور پیغام کو طلسمی پردوں کی اوٹ میں چھپایا جا رہا ہے، اسے منظر عام پر لانے کی ضرور کوشش کریں گے۔

روزنامہ "نوائے وقت" میں شائع شدہ علامہ اقبال کے ان خطوں پر جو تاریخیں (Date lines) درج ہیں، نہیں معلوم کہ وہ کہاں تک درست ہیں۔ خط و کتابت کے لحاظ سے ۲۵ اگست کے بعد ۲۰ اگست کی تاریخ صحیح معلوم نہیں ہوتی (تحقیق نامہ میں

تاریخ ۳۰ اگست ہے۔ نوائے وقت میں سہو قلم سے ۲۰ اگست لکھی گئی)جبکہ چوہدری محمد حسین کے تذکرہ پر تبصرہ کی پہلی قسط روزنامہ "زمیندار" کے ۳۱ اگست کے شمارہ میں شائع ہوئی تھی۔ اس لحاظ سے اس خط کی ڈیٹ لائین ۳۱ اگست ہونی چاہیئے کہ اس خط میں اقبال لکھتے ہیں! "آپ کے مضمون کی پہلی قسط آج "زمیندار" میں ملاحظہ سے گزری۔" اور ۲۰ اگست کو اگر صحیح تاریخ تسلیم کیا جائے تو پھر تبصرہ کی اشاعت سے قبل ہی ڈاکٹر اقبال کا تبصرے پر تبصرہ چہ معنی دارد؟ اسی طرح ۱۸ اگست کا خط بھی (ساتواں خط) ۱۸ ستمبر کی تاریخ کا ہو سکتا ہے۔ ان تاریخوں کی درستگی کی ذمہ داری ان پر عائد ہوتی ہے جنھوں نے یہ خطوط پہلی مرتبہ شائع کیے تھے۔

"اقبال اور مشرقی" جیسی عظیم و بلند شخصیتوں کے بارے میں لکھنے پر مجھ سے اگر کوئی کوتاہی یا غلطی سرزد ہوئی ہو تو اہلِ علم حضرات اسے میری کم علمی سمجھتے ہوئے معاف فرمائیں۔

غلام قدیر خواجہ

پشاور بروز جمعہ ۱۶ شعبان ۱۴۱۷ھ

بمطابق ۲۷ دسمبر ۱۹۹۶ء

"تذکرہ"

بارگاہ رب العزت میں ناچیز ہدیہ:

"میں سب سے بڑے حاکم آسمانوں اور زمینوں کے خالق خدائے عزوجل کی خدمت گرامی میں اپنا ناچیز ہدیہ پیش کرتا ہوں۔ پروردگار تیرے حضور میں ایک انوکھی چیز لایا ہوں، ان چیزوں میں سے جو تونے مجھے ارزانی فرمائیں۔ میرا دل اس خیال سے ہراساں ہے کہ میں تیرے پاس واپس آنے والا ہوں اور تو مجھ سے میرے اعمال کی نسبت باز پرس کرنے والا ہے۔ تو میری سعی و کوشش کو قبول فرما۔ میرے تدبر میں صلاحیت پیدا کر اور میرے دل کو اس کی برکتوں سے استقلال اور ثبات سے بہرہ اندوزی عطا فرما۔ لوگوں کے دلوں کو اس کی طرف مائل کردے تاکہ انہیں معلوم ہوجائے کہ یہ چیز تیری جناب سے عطا ہونے والی حقانیت اور صداقت کے تحت ہے اور اس کے زیر اثر ان کے دل تیری اطاعت شعاریوں کا کلمہ پڑھنے لگیں۔

پروردگار! تو اب بھی مسلمانوں کی اصلاح و درستی اور اپنے نور سے ان کی رہنمائی کا اسی طرح بندوبست فرما جیسا کہ تو اس سے پہلے ان کی ہدایت اور اصلاح کے سامان بہم پہنچاتا رہا۔ پروردگار! وہ ایک نادان قوم ہے۔ پروردگار! تو نے مجھے خبر دی ہے کہ وہ جلد ہی ہلاکت سے دوچار ہونے والے ہیں پھر میں ہی ان کی مخلصی کے لئے تیرے نور کی ایک اہم اطلاع ان کے پاس لایا ہوں۔ پروردگار! انہیں اتحاد اعتلاف کی نعمت سے مالا مال کردے اور ان کے افتراق کو اتفاق سے بدل دے اور ان کو ان لوگوں کے سیدھے راستے پر چلا جو نہ تیرے غضب اور ناراضمندی کا نشانہ بنے اور نہ گمراہی کی آلودگی سے ملوث ہوئے۔" (مشرقی) (التذکرہ۔ عربی افتتاحیہ سے ترجمہ)

قابل ذکر علامہ مشرقی

ڈاکٹر رشید نثار

علامہ مشرقی کو بھلائے ہوئے ایک زمانہ ہو گیا۔ مگر کیا وہ اسطرح نظرانداز کیا جا سکتا ہے؟

میرا خیال ہے علامہ مشرقی کو جس طرح پاکستانی قوم نے نظرانداز کیا ہے اس طرح کسی قوم نے کبھی کسی رہنما کو صفحۂ ذہن سے مٹایا نہیں۔

علامہ مشرقی تو صراط مستقیم کے آدمی تھے۔ انہوں نے اپنی ذات اور کائنات کو دو انتہاؤں کے درمیان باندھا ہوا تھا بلکہ صراط مستقیم کے دونوں کناروں پر خود کو موجود رکھ کر انہوں نے زندگی کو منظم اور افکار کو مرتب کر لیا تھا۔ اس اعتبار سے علامہ مشرقی کا اپنا وجود ناقابل تقسیم اور تفہیم کا جواز تھا۔

علامہ مشرقی انسان کو Essence، خدا کو اس کا خالق Creator اور کائنات کو موجود Existent گردانتے تھے۔ ان کے تصور کی ماہیت قرآن حکیم کا آفاقی فلسفہ تھا۔ چونکہ قرآن بذات خود "تنظیم" کا ماوا اور تحریک کا ملجا ہے لہٰذا علامہ مشرقی نے براہ راست قرآن حکیم ہی سے اساسی علوم کے لئے استنباط کیا۔ اور اس تحریک کو خاکسار تحریک کے روپ میں پیش کیا۔

خاکسار تحریک بنیادی طور پر تحرک، عمل اور تنظیم کی تکون پر قائم تھی۔ لہٰذا اس تکون کے اضلاع میں جو شے تصویر بن کر ترتیب پا سکتی تھی اسے علامہ مشرقی نے بعینہٖ قبول کیا لیکن جہاں اس تکون کے اضلاع اور زاویوں نے کسی شے کو قبول نہیں کیا۔ علامہ مشرقی نے بلاخوف و خطر اس کی نفی کر دی۔ چنانچہ مولوی، شاعر، اور حاکم ان کی نظر میں مقاصد انسانی میں روڑے کی حیثیت رکھتے تھے، لہٰذا انسان کے پیغمبرانہ وصف اور خدائی تنظیم کے ایک رکن کی حیثیت سے وہ اس کے وجود پر یقین رکھتے تھے۔

قرآن نے انسان کو گھاٹے کا سودا کرنے والی، دوزخ کے الاؤ پر کھڑا ہونے والا اور فنا پذیر کہا ہے۔ اس لئے قرآن نے '' '' کو صلح اور اصلاح کا پیغام دیا ہے تاکہ اس

کے ابتلا میں کمی واقع ہو اور وہ خدائی صفات کے قریب رہ کر لامحدود ہو جائے۔ لیکن کیا انسان کا لامحدود ہونا واقع قابل عمل ہے کہ یہ محض ایک تصور ہے۔ علامہ مشرقی نے انسان کے لامحدود ہونے اور اس کے وجود کو آزاد وخود مختار قرار دینے میں کسی بخل سے کام نہیں لیا ہے۔ لیکن انسان بحیثیت فرد معاشرے میں اپنی آزادی برقرار نہیں رکھ سکتا۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ انسانی معاشرہ رنگ، نسل، خون کی اکائیوں میں بنا ہوا ہے۔ اسی بناء پر غلام، آقا، آزادی، وجود اور بالیدگی کا احساس پیدا ہوتا رہتا ہے۔ انسان کبھی آقا، کبھی غلام، کبھی آزاد کبھی محکوم، کبھی موجود اور کبھی غائب ہوتا رہتا ہے۔ چنانچہ انسان کو اپنے وجود میں فطری وابستگی اور جبلی ہم خیالی قائم رکھنا ضروری ہوجاتا ہے۔ مگر جرم و سزا کی اس دنیا میں فطرت اور جبلت کے نازک کندھوں پر بڑے بڑے مسائل کے پہاڑ کھڑے کئے گئے ہیں۔ اس لئے انسان ہمیشہ تنہا، خطرات میں گھرا ہوا اور بے حصار ہے۔ علامہ مشرقی نے انسانی وجود کی آزادی کی خاطر قرآن حکیم کے پیغام کو سمجھا اور اس سے عہدہ برآ ہونے کے لئے جرم وسزا سے الگ اخوت کا پیغام دیا اور اسے مساوات کے عظیم نام کے ساتھ وابستہ کرکے تنہائی سے نجات اور فکری ہم آہنگی سے مربوط کردیا۔

علامہ مشرقی کے بنیادی فکر کو تلاش کرنے میں دیر نہیں لگتی۔ کیونکہ فرار، ذہنی پژمردگی کے عہد میں ان کا وجود کی سرحد پر نمودار ہونا ایک نوکھا تاریخی عمل اور تحریک کے لامحدود جذبے کا منور طلوع ہے۔ مگر یہ افسوسناک صورتحال ہے کہ علامہ مشرقی جیسے جری فلسفی کو پلک جھپکنے میں نظرانداز کردیا گیا اور آج اس کا نام کسی ذہن میں وہم وگمان کی حد تک بھی موجود نہیں۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ ہمارا فکری سرمایہ کوئی ہے ہی نہیں۔ اور اگر ہے تو اس پر خوف کے سائے منڈلارہے ہیں اور ہم کسی کے جائز اعتراف سے بھی خوف زدہ ہیں۔ شاید یہ درست ہے کہ ابھی تک ہم حقیقت کے اعتراف کا حوصلہ نہیں رکھتے اور اپنے فکری سرمائے کو صرف خوش فہمی اور خوش دلی کے لئے بلکہ یہ کہا جائے تو بے جانہ ہوگا کہ صرف اپنی ذات کو شمار کرانے کے لئے کسی فلسفے کو قبول کررہے ہیں۔ جیسے اقبال کی فلاسفی کو یا سرسید کی آزاد خیالی کو۔ اس طرح

ہم محفوظ بھی رہتے ہیں اور آزاد بھی۔ لیکن کیا علامہ مشرقی کا فلسفہ ہمارے فکری رویے اور ذہنی آزادی میں رکاوٹ کا باعث بن رہا ہے؟ شاید یہ بھی درست ہے کہ ہم علامہ مشرقی کے فکری سرمائے کو ذہنی ارتقاء میں رکاوٹ محسوس کرتے ہیں اور اس کا نام لینے سے خوف زدہ ہو جاتے ہیں۔ اس خوف کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ برصغیر پاک و ہند میں سیاسی فضا آزاد نہیں ہے۔ لوگ ابھی تک خوف کے پنجروں میں پھڑپھڑا رہے ہیں اور خصوصی طور پر فضا زہر آلود اور اذہان مسدود ہیں۔ ایسی فضا میں علامہ مشرقی کے قریب آنا دشوار ہے اور اگر کوئی اس طرف منہ کرتا ہے تو اس کے حوصلے کی داد دینی پڑتی ہے۔

برصغیر میں جن تحریکات کا وجود پایا جاتا ہے ان میں مجدد الف ثانی، شاہ ولی اللہ، مولانا عبید اللہ سندھی کا ذکر نمایاں ہے۔ ان میں علامہ اقبال مرید ہندی کے اعتبار سے خودی کے تصور کے ساتھ بڑی شہرت رکھتے ہیں۔ مگر ان کا فلسفہ وجودیت ہی کی ایک شاخ ہے۔ جبکہ علامہ مشرقی ذہن، دل اور روح کے لحاظ سے موجودیت کے بہت قریب ہیں۔ یہ موجودیت Participation کا ایک عنصر ہے جس کے بغیر وجود کا ارتقاء معدوم ہے لہٰذا علامہ مشرقی، مجدد الف ثانی، شاہ ولی اللہ مولانا عبید اللہ سندھی کے افکار کے ارتقائی عمل سے تعلق رکھتے ہیں اور گذشتہ صدی میں انہی کی "موجودیت" نے نجات کے راستے کو تلاش کیا ہے۔ جبکہ دوسرے زعماء کسی نہ کسی سطح پر حکومت وقت کے ساتھ تعاون کرنے اور "اہنسا" کی تعلیم کے زیر اثر خود رحمی کا شکار دکھائی دیتے ہیں۔ چنانچہ علامہ اقبال کا فلسفہ خودی Invidaulism کا ایک عنصر اور Being کا صرف مظہر ہے۔ علی ہذا القیاس مہاتما گاندھی کا فلسفہ "اہنسا" اور ہندو مسلم اتحاد بھگتی تحریک کا آخری حصہ اور ان کا اپنا وجود نظریاتی اجماع کا شاخسانہ اور مہاتما بدھ کی تقلیدی شاخ کا ہدف ہے۔ اس کے علی الرغم قائد اعظم زندگی کی مراعات سے متمتع، مغربی طرز فکر کے ہمنوا محض سیاست کے کھیل تک دلچسپی قائم رکھ کر اپنی پسند کے امتزاج کو قبول کرتے ہیں۔ لہٰذا ان کے پاس کوئی فلسفہ حیات نہیں ہے۔ اور نہ ہی اقدار و تہذیب کے ارتقاء کا کوئی مثبت حل۔ وہ پاکستان کے وجود سے وابستہ غیر مختتم تگ و دو کو فکری سطح پر

جاری رکھنا چاہتے ہیں۔ جہاں احتجاج غیر معینہ عرصے تک Reserve ہے۔ لہٰذا پاکستان کے حصول کے بعد ان کی تگ و دو پاکستانی علاقے تک محدود اور پاکستانی مسلمانوں کو ہندوستانی مسلمانوں سے جدا کرنے کے جذبے تک قید ہے۔ جبکہ علامہ مشرقی ایسا نہیں سمجھتے۔ لہٰذا ہندوستانی مسلمانوں کے لئے اور پاکستانی مسلمانوں کے لئے وہ بیک وقت حرکت و عمل کو جاری رکھ کر فلسفہ موجودیت پر قائم ہیں۔ ان کے خیال میں برصغیر کے مسلمانوں کو تقسیم کرنا اس لئے درست نہیں ہے کہ اگر پاکستانی مسلمان خوف کے پیر تسمہ پا سے نجات حاصل کر لیتے ہیں تو ہندوستانی مسلمان تمام زندگی خوف کے عذاب سے باہر نہیں نکل سکتے۔ لہٰذا سمجھوتہ، بیزاری، فرار اور مایوسی اس کے ہاں لغت کا ورق نہیں رکھتی۔ قائداعظم نے اپنی دانست میں علامہ اقبال کے فلسفہ خودی کے تصور کو حقیقی روپ دینے کے لئے پاکستان کے مطالبے سے وابستگی قائم رکھی تھی۔ اس طرح انہوں نے مسلمانوں کو زندہ رہنے اور گھٹیا پن سے آزاد ہونے کی نوید سنائی تھی۔ مگر پاکستان کے بن جانے کے بعد مسلمان کسی سطح پر بھی اونچا دکھائی نہیں دیا۔ کیونکہ اس کے اندر نو دولتیہ پن در آیا ہندوستانی مسلمان ہندوؤں کی جبریت میں زہر کے گھونٹ پینے پر مجبور ہو گیا۔ اس طرح مسلمان آدھا تیتر اور آدھا بٹیر بن گیا۔ چنانچہ اقبال کا فلسفہ خودی پاکستان کے بن جانے کے بعد عملی طور پر غیر منطقی اور غیر استقرائی قرار پا گیا ہے۔ مگر اس اثناء میں علامہ مشرقی کا فلسفہ موجودیت بری طرح پس منظر میں چلا گیا بلکہ اقبال اور قائداعظم تو پیش منظر میں رہے لیکن علامہ مشرقی بیچارا پیش منظر سے غائب ہو گیا۔

اس صورت حال میں یہ امر بہت ضروری ہے کہ ملکی اور غیر ملکی حالات کے تجزیے کی روشنی میں کچھ دیکھا جائے۔ لہٰذا مغرب کے ذہن کو پڑھتے ہوئے یہ تو کہا جا سکتا ہے کہ اسے گاندھی جناح دونوں کا فلسفہ عزیز تھا اور اقبال مشرق و مغرب کے پل کی حیثیت میں قبول تھا۔ جبکہ علامہ مشرقی بنیاد پرست کی حیثیت سے ہندو، انگریزوں اور یہودیوں کو قبول نہیں تھا۔ یہ تناظر آج بھی موجود ہے اور شاید آئندہ بھی رہے۔ مگر کیا علامہ مشرقی واقعی بنیاد پرست تھا؟ اس سوال کا جواب کبھی تلاش نہیں کیا گیا کیونکہ اس نے بیک وقت پیر، میر، وزیر اور ملا کو اپنا دشمن بنا لیا تھا۔ اس طرح اس نے چار دانگ

عالم میں خود کو تنہا اور واحد قرار دے کر صرف اتنی انفرادیت حاصل کرلی تھی کہ وہ ملا کا مخالف، پیر کا دشمن اور حکومت کا بیری ہے۔ اس نے مولوی کا غلط مذہب لکھ کر سارتر کی طرح برے اعتقاد کی نشان دہی کی تھی اور اسے قرآنی فلسفے کے قریب لانے کے لئے "تذکرہ" لکھا تھا۔ مگر عجیب بات ہے کہ تذکرہ قرآن کی طرح جزدانوں میں بند رہا۔ اور مولوی کا غلط مذہب پورے ہندوستان میں پھیل گیا۔ اس طرح وہ بنیاد پرست نہیں تھا۔ بلکہ سرسید سے الگ نام نہاد نیچر سے دور علامہ اقبال کی خودی سے مختلف سخت کوشی جاں سپاری کی بات کر رہا تھا۔ بلکہ سارتر کے جہنم کے برخلاف جدوجہد، جہاد اور تنظیم کا روپ دھار کر زندگی کو جنگ اور آزادی کا عقیدہ بنا رہا تھا۔

علامہ مشرقی اپنے عہد کا معلم اخلاق بھی تھا۔ اس نے رنگ و نسل، کرسی و عہدہ کو ٹھکرا کر تقویٰ کی بنیاد پر انسان کی درجہ بندی کی تھی۔ اس نے ہستی اور وجود کو بے معنی قرار دے کر انسانی اختیار کی بات کی تھی۔ کہ صرف "ذہین" انسان ہی حکومت کا سزا وار ہو سکتا ہے۔ اور نام نہاد مغربی جمہوریت کو اس نے اس لئے ٹھکرا دیا تھا کہ یہاں سرمایہ، غربت کو خرید سکتا ہے۔ اور حکمران جعلی ووٹ بھگت سکتا ہے اس طرح اس نے مغربی جمہوریت کو محض اس لئے رد نہیں کیا کہ بقول اقبال اس میں بندوں کی گنتی ہوتی ہے۔ بلکہ اس نے جمہوریت کو غریب اور امیر کی حدود میں قید رکھ کر یہ قدغن لگائی تھی کہ ذہین اور مجاہد لوگ ہی قابل عزت ہوتے ہیں۔ جبکہ دوسرے فلسفوں میں سوائے سارتر کے عمومی کردار کے لئے کچھ بھی نہیں تھا۔ چنانچہ علامہ مشرقی نے عمومی کردار کو واضح کرنے کے لئے لباس میں ہم آہنگی اور فکر میں بلندی پیدا کرنے کے لئے حکمران کے وجود کو للکارا اور اس کے گماشتوں سے بیزاری کا مکمل اظہار کیا۔ (یاد رہے علامہ مشرقی میر، وزیر اور پیر و ملا کو حکومت کا گماشتہ تصور کرتے تھے) جبکہ قائداعظم نے ایسا نہیں کیا۔ اور ایک پرشکوہ تنظیم پیدا کر دی۔ لہٰذا میر و وزیر، ملا اور پیر کے تعاون کے بغیر یہ پرشکوہ عمارت تعمیر نہیں ہو سکتی تھی۔ اس کے برعکس علامہ مشرقی نے جماعتی سطح پر واقعی ایک اور پرشکوہ تنظیم تشکیل دی تھی اور اس طرح انہوں نے میر و وزیر، پیر و ملا کے وجود کی نفی کر کے سمجھوتے، فرار اور بیزاری کی راہیں مسدود کر دی تھیں۔ انہوں

نے بیک وقت کانگرس اور مسلم لیگ سے اختلاف کیا۔ اس اختلاف کو ہوا دینے میں کانگرس کا سرمایا اور مسلم لیگ کے مخبر بھی شامل تھے۔ مگر حیرت ہے کہ علامہ مشرقی نے اپنے فلسفہ کو قائم رکھتے ہوئے اتنے خاکسار پیدا کردیئے تھے جن کے وجود اور موجود ہونے سے انکار تاریخ کا انکار ہے۔

برصغیر پاک وہند آزادی افکار کے لئے صدیوں سے وجود، موجود اور حق خود اختیاری کی جدوجہد کرتا آرہا ہے۔ یہاں بے شمار لوگ اور تحریکیں پیدا ہوئیں۔ مگر حکومتی گماشتوں نے نہ تو تاریخ کو مرتب ہونے دیا اور نہ ہی حق خود اختیاری کو مربوط ہونے دیا۔ لہٰذا جن شخصیات نے ان فلسفوں کے لئے کوئی کام کیا ہے۔ ان میں محمد علی جوہر کی مکمل آزادی، علامہ اقبال کی قابل شناخت زندگی اور علامہ مشرقی کی "موجودگی" حق خود اختیاری کے سفر کے داستانی اضلاع ہیں۔ مگر محمد علی جوہر اور علامہ مشرقی کے سوا بلا موجودگی" کا تصور ضمنی اور فلسفے کا وجود ترجیحی ہے۔ (محمد علی جوہر اور علامہ مشرقی کی موجودگی نے استعمار پر جو اثرات مرتب کئے ہیں وہ ایک فکر انگریز لمحہ اور حیات انسانی اور خود اختیاری کا طرب انگیز مرحلہ ہے) ان دنوں شخصیات نے زمانی اور تاریخی بعد کے باوجود نظریاتی، موجود اور تحریک وعمل میں ایک مناسبت پیدا کردی تھی کہ آج اس کا ذکر ہمارا ذہنی ورثہ اور قابل فخر سرمایہ ہے۔ جبکہ علامہ اقبال کا تصور خودی محض ذہنی آب وہوا کی بناء پر شدید رکاوٹ اور قائداعظم کا پاکستان دو ٹکڑوں میں بٹ کر عدم موجودگی کا باعث بن گیا ہے۔ (ہمارے اذہان اس حقیقت کو تسلیم کرنے سے ہچکچاتے ہیں) تاہم آزادی عمل اور انسانی ذات کی خود اختیاری، علامہ مشرقی کے فکری جہاد سے بہت حد تک مماثلت رکھتی ہے۔ کیونکہ یہاں خودی تقسیم شدہ نہیں ہے۔ اور ملت کی تقسیم کا خدشہ بھی نہیں ہے۔ لہٰذا علامہ مشرقی کے فلسفہ موجودگی اور غلبہ اسلام کو فلسفہ حیات اور آزادی کی نوع کے اعتبار سے دوبارہ دیکھنا موجودہ عہد کا منطقی تقاضا ہے۔

☆-------☆-------☆

پہلا باب

علامہ اقبال کے
خطوط

چودھری محمد حسین کے نام
علامہ اقبالؒ کے چند غیر مطبوعہ خطوط

"چودھری محمد حسین شاعر مشرق علامہ اقبالؒ کے مقرب خاص اور ہمدم و ہمراز تھے۔ گورنمنٹ کالج لاہور کے تحقیقی مجلے۔ تحقیق نامہ نے حال ہی میں چودھری محمد حسین کے نام علامہ کے چند غیر مطبوعہ خطوط شائع کئے ہیں جو اپنے مواد کے حوالے سے خاصے اہم اور دلچسپ ہیں۔ یہ غیر مطبوعہ خطوط ثاقف نفیس کا عطیہ ہیں۔ تحقیق نامہ کے شکریے کے ساتھ علامہ اقبالؒ کے یہ غیر مطبوعہ خطوط نوائے وقت کے قارئین کی دلچسپی کے لئے پیش کئے جا رہے ہیں۔"

پہلا خط

لاہور 16 جولائی 1924ء

ڈیئر ماسٹر صاحب السلام علیکم

آپ کا خط مل گیا ہے بہتر ہے اگر نواب صاحب نے طلب فرمایا تو میں حاضر ہو جاؤں گا اور اس کام کے لئے طلب نہ بھی کیا گیا تو چند روز کے لئے حاضر ہوں گا۔ دیباچہ شیخ صاحب آج دیں گے، یا کل ملے گا۔ طویل نظموں کے متعلق اعلان کرنے کی ضرورت نہیں جو چند نظمیں شائع ہوئی ہیں وہ اس مجموعے میں شامل ہیں اس کے علاوہ اس مجموعے میں تمام نظموں کا کاپی رائٹ ہے۔ البتہ یہ اعلان ہو جائے کہ کتاب چھپ گئی ہے۔ دیباچہ شیخ عبدالقادر نے لکھا ہے تاجروں کو معقول کمیشن دی جائے گی جس کا فیصلہ طاہر دین، بازار انارکلی سے کرنا چاہئے چودھری غلام رسول صاحب شملہ ہی میں ہیں وہ وہاں سے لکھ کے "زمیندار" میں بھیج دیں گے وہ تو کہتے تھے کہ اعلان زمیندار نمبر میں ہو جائے گا جس کی اشاعت بیس ہزار ہوگی مگر تعجب ہے اس میں کچھ نہ تھا معلوم

ہوتا ہے کہ غلطی سے رہ گیا ہے علی گڑھ بک ڈپو سے خود بخود خط کتابت کرنے کی ضرورت ہے۔ اشتہار دیکھ کر شاید وہ خود ہی دریافت کریں تاہم اگر آپ مناسب تصور کرتے ہوں تو خط کتابت کیجئے۔

جنرل نادر خاں صاحب نے لاہور میں ایک روز قیام کیا وہ اردو بہت اچھی بولتے ہیں اور نہایت بے تکلف اور سادہ آدمی ہیں کل شام میں نیڈو ہوٹل میں ان سے ملا وہ خود ہی میرے مکان پر آنے والے تھے۔ چٹھی میرے نام کی لکھ کر بھیجنے والے تھے کہ میں خود وہاں جا پہنچا ان کی دعوت چائے کی تھی اور مجھے بھی میزبان نے مدعو کیا تھا نہایت اخلاص اور محبت سے ملے اور جب میں نے ان کی عسکری قابلیت کی تعریف کی تو کہا آپ نے جو کچھ لکھا ہے دنیا کی کوئی توپ اور بندوق اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی ایک ایک لفظ ایک ایک بیزی کا حکم رکھتا ہے وہ پیرس میں سال یا دو سال رہیں گے اپنے چھوٹے بچے کو بھی ساتھ لے جا رہے ہیں جس کی عمر قریباً دس سال کی ہوگی سنا ہے وزیر خاں کی مسجد میں انہوں نے کوئی تقریر بھی کی ہے۔ عصر کی نماز انہوں نے وہاں ادا کی تھی کل شام ساڑھے ست بجے وہ گاڑی سے بمبئی تشریف لے گئے۔

ان کا خیال ہے کہ تمام ممالک کے مسلمانوں کو ایک خاص جگہ جمع ہو کر اپنے لئے ایک مشترک پروگرام تجویز کرنا چاہئے جس پر تمام ممالک اسلامیہ عمل کریں باقی مقامی اور خاص حالات کے لئے ہر ملک اپنا اپنا پروگرام تجویز کرے جو ان کے مناسب حال ہو غرضیکہ چند منٹ ان سے خوب صحبت رہی۔ ان کو وزیر خاں کی مسجد میں جانے اور لوگوں سے ملنے کے لئے جو ان کا دیر سے انتظار کر رہے تھے جلدی تھی اس واسطے وہ ہم سے بادل ناخواستہ رخصت ہو گئے۔

"زبور جدید" کا سلسلہ جاری ہے:۔

من اگرچہ تیرہ خاکم دلکے است برگ و سازم
نظارہ جمالے چو ستارہ دیدہ بازم

بہوائے زخمہ تو ہمہ نالہ خموشم
تو بایں گماں کہ شاید زنوا افتادہ سازم

ضمیرم آں چناں کن کہ .شعلہ نوائے
دل خاکیاں فروزم دل نوریاں گدازم

زخطائے من چہ پرسی زصواب من چہ گوئی
نروم بآں بہشتے کہ بدست خود نہ سازم

اقبال

دوسرا خط

لاہور 25 جولائی 1924ء

ڈیئر ماسٹر صاحب السلام علیکم

آپ کا خط ابھی ملا ہے الحمد للہ کہ خیریت ہے۔ خدا تعالیٰ آپ کو فکر معاش کی خلش سے جلد آزاد کرے اور اطمینان قلب عطا کرے۔

اجتہاد کا مضمون نواب صاحب کی کتاب سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ وہ اگر اپنی کتاب میں اسے درج کریں گے تو میرے خیال میں غلطی کریں گے۔ باقی رہا میرا مضمون سو اس کا مقصد محض اجتہاد پر ایک تاریخی نظر ہے اس میں جو مثالیں اجتہاد کی ہیں وہ محض مثال کے طور پر ہیں۔

سود کے متعلق میں نے بھی بحث دیکھی ہے مگر یہ مضمون سخت مشکل ہے اور اس پر لکھنے کے لئے فقہ کی کتابوں پر پورا عبور ہونا چاہئے، تاہم اس مضمون میں شاید یہ مسئلہ بھی آجائے۔ ہر ملک کے حالات مختلف ہیں اور اب اس قسم کے مسائل کا فیصلہ اسلامی ضمیر، بحیثیت مجموعی ان مسائل کا فیصلہ کرے گا اور یہ ہونا بھی چاہئے اس طرح کی جمہوریت کا تجربہ اسلام کے لئے نیا ہے دیکھیں کیا کیا نتائج نکلتے ہیں ممکن ہے مسئلہ سود عنقریب ترکی کی اسمبلی میں ایک بل کی صورت میں پیش ہو۔

اسلامی ممالک اور انگریزوں کے ساتھ اتحاد، یہ مسئلہ بھی بہت سی مشکلات اپنے اندر رکھتا ہے مگر ایک ہندوستانی مسلمان اس مسئلہ پر میرے خیال میں سوائے خیالی دلائل دینے کے اور کچھ نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اسے تمام واقعات کا علم نہیں ہے اس کے علاوہ انگریزی مقاصد سے بھی اسے پوری آگاہی نہیں ہو سکتی۔ دو قوموں کے اتحاد میں ایک بڑا عنصر وہ تجربہ بھی ہوا کرتا ہے جو ایک دوسری کو ایک دوسرے کی سیرت و کیریکٹر کا حاصل ہو۔ جہاں تک میں نے اخبارات سے اندازہ کیا ہے جنگ سے پہلے جو اعتماد

مسلمانوں کو انگریزوں کے کیریکٹر پر من حیث القوم تھا اب مطلقاً نہیں رہا۔ حال میں ایران میں امریکن کونسل کا قتل زیادہ تر اینٹی برٹش فیلنگ کا نتیجہ تھا باقی اسلامی ممالک کی کیفیت بھی ایسی ہی معلوم ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ خلافت کی منسوخی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ امپیریل آئیڈیل سے مسلمان دستبردار ہیں۔ یہ بات بجائے خود اسلام کے اتحاد کے ناموافق ہے۔ غرض یہ کہ جہاں تک مجھے اندازہ ہو سکا ہے یہ اتحاد غیر اغلب معلوم ہوتا ہے۔ آئندہ کا علم خدا کو ہے لیکن انگریزی نقطہ خیال سے کارنس صاحب کا مشورہ ٹھیک معلوم ہوتا ہے اور نواب صاحب کو اس پر عمل کرنا چاہئے۔ میرے خیال میں بہت بڑی دلیل جو ایک ہندوستانی مسلمان، اس اتحاد کے حق میں دے سکتا ہے وہ حقیقت میں خود غرضی پر مبنی ہے، خواہ دلیل والے کو اس کا احساس ہو یا نہ ہو۔ یعنی یہ کہ آزاد مسلمانان ایشیا افریقہ کے کسی اور بڑے مغربی قوم کے ساتھ اتحاد کر لینے کی صورت میں ہندوستانی مسلمانوں کو بڑی مشکلات کا سامنا ہو گا۔ ایسی صورت میں انگریز ہندوستان میں غیر اسلامی اقوام ایشیا مثلاً ہندو اور بدھ کے ساتھ رشتہ اتحاد مستحکم کریں گے جس کا نتیجہ ہندوستانی مسلمانوں کے لئے اچھا نہ ہو گا اور مجھے تو اس کے آثار اب بھی نظر آتے ہیں۔ بدھوں کے ساتھ ان کا اتحاد مشتبہ ہے مگر ہندوؤں کے ساتھ یقینی ہے (اگر مسلمانوں نے کوئی اور راہ اختیار کر لی تو)۔

کتاب کا دیباچہ مختصر ہے اور محض تاریخی آج اس کے پروف دیکھ کر میں نے بھیج دیئے ہیں علی بخش ابھی لے کے گیا ہے امید ہے کہ دو چار روز تک کتاب مارکیٹ میں آجائے گی۔ لاہور کے کتب فروش مل کر اسے خریدنا چاہتے ہیں مگر پچاس فیصد کمیشن مانگتے ہیں میں نے انکار کر دیا ہے۔

چودھری غلام رسول شاید ابھی اپنے گاؤں میں ہی ہیں۔ شملہ آنے کا قصد تھا مگر شیخ اصغر علی صاحب ڈلہوزی کھینچتے ہیں۔ پچھلے سال بھی انہوں نے اصرار کیا تھا میرے نہ جانے سے کبیدہ خاطر ہوئے تھے۔ اب کے سال انہوں نے پھر لکھا ہے میں نے نواب صاحب کی خدمت میں خط لکھا ہے اور دریافت کیا ہے کہ آیا کرنال کے مقدمات کا تصفیہ اگست میں ہو گا یا نہ۔ اگر نہ ہوا تو میں خیال کرتا ہوں کہ شیخ صاحب کو خوش کرنا ضروری

ہے۔ ان کی خوشی کی خاطر چند روز کے لئے میں اور مرزا صاحب ڈلہوزی چلے جائیں گے بعد میں ممکن ہوا تو شملہ کا سفر بھی ہو جائے گا۔ آپ بھی نواب صاحب سے دریافت کرکے مجھے مطلع کریں۔ آج سے کچہری بند ہے۔ مطلع ابر آلود ہے اور خوب ہوا چل رہی ہے باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ (اقبال)

تیسرا خط

لاہور 15 اگست 1924ء

ڈیئر ماسٹر صاحب السلام علیکم

آپ کا خط ابھی ملا ہے الحمدللہ آپ اچھے ہیں کئی دن ہوئے، میں نے ایک خط آپ کو لکھا تھا جس میں نواب صاحب کی کتاب کے متعلق ذکر تھا جو اب زیر تصنیف ہے۔ معلوم نہیں وہ خط آپ تک پہنچا یا نہیں پرائیویٹ خط تھا۔

تذکرہ کے چند صفحات میں نے دیکھے ہیں اور وہ بھی غالباً ابتدائی تھے اس سے زیادہ میں دیکھ نہیں سکا، ممکن ہے آپ کی رائے صحیح ہو۔

یہاں لاہور میں ایک آدھ آدمی سے یہ سنا گیا ہے کہ کتاب گورنمنٹ کے خرچ پر شائع ہو رہی ہے کیونکہ اس میں بہترین مسلمان یورپ والوں کو ثابت کیا ہے واللہ اعلم یہ بات کہاں تک درست ہے۔ جمہوریت کے زمانے کے یہ ضروری نتائج جو آپ دیکھ رہے ہیں ادب، مذہب، فلسفہ وغیرہ سب کچھ اس کی نظر ہو جاتا ہے اور ہر آدمی اپنے آپ کو ہر کام کا اہل تصور کرلیتا ہے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ تمام مطالب عالیہ "ذلگر" ہو جاتے ہیں۔ قرآن میں اس نکتے کو مد نظر رکھ کر صحیح معنوں میں ایک ارسٹوکریسی قائم کی ہے۔ "اکرمکم عنداللہ اتقاکم" تقویٰ میں تمام قوتوں کا کمال داخل ہے۔ اسلامی ارسٹوکریسی خون اور رنگ پر مبنی نہیں بلکہ تقویٰ اور پاکیزگی پر ہے۔ یہی ارسٹوکریسی مطالب عالیہ کی اہل ہے باقی خدا کے فضل سے خیریت ہے امید ہے آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ کتاب سلائی جا رہی ہے۔ مبارک علی سب کاپیاں خرید کرنا چاہتا ہے۔ کل اس

بات کا بھی فیصلہ ہوجائے گا۔ نواب صاحب کی خدمت میں آداب
والسلام (محمد اقبال)

چوتھا خط

لاہور 15 اگست 1924ء

ڈیئر ماسٹر صاحب السلام علیکم

آپ کا خط ابھی ملا ہے کتاب کی فروخت کا معاملہ ابھی تک طے نہیں ہوا۔ دو چار روز تک ادھر ادھر ہوجائے گا۔ ابھی اس کی سلائی بھی ختم نہیں ہوئی شاید آج پانچسو کتاب تیار ہوگئی ہوگی۔ ایک کتاب نمونے کے طور پر آئی تھی جو میں نے سردار جوگندر سنگھ صاحب کو دے دی تھی معلوم نہیں وہ شملہ واپس گئے یا اپنے علاقے میں ہیں۔ کہہ گئے تھے کہ بدھ کو پھر آؤں گا ذرا تم سے نواب صاحب کی زمین مرید کے کے متعلق گفتگو کروں گا کہ اس کا فیصلہ کیا کرنا چاہئے مگر ابھی تک نہیں آئے۔

افغانستان کے متعلق اخباروں میں بھی کوئی ایسی خبر نہیں لیکن کچھ نہ کچھ بے ضرور سوڈان میں بھی اضطراب ہے شاید گولی بھی چل گئی۔ مصر میں بھی کہتے ہیں کسی تری سازش کا انکشاف ہوا ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ خدیو سابق کو مصری تخت پر بٹھایا جائے امیر نجد بھی عراق پر حملے کی تیاری میں ہیں۔ کل کی اخبار میں تھا کہ ان کے فوجی روانہ بھی ہوگئے موصل کے لئے لڑنے کو تیار ہیں۔ شاہ حجاز نے انگریزی عہد نامے پر دستخط کرنے سے انکار کردیا ہے۔ امیر عبدالکریم رف میں خوب لڑ رہا ہے اور ابھی تند معرے ہوں گے۔ غرض کہ دنیا اسلام کو ابھی راحت کی گھڑی نصیب نہیں ہوئی باقی کی دنیا یعنی یورپ کی دنیا میں نظام سرمایہ داری کے خلاف تگ ودو ہو رہی ہے۔ سلطنت پرستی جب تک دور نہ ہوگی دنیا میں امن نہ ہوگا۔

اے فلک چشم تو بے باک وبلا جوت ہنوز می شناسم کہ تماشائے دگری خواہی

مصنف تذکرہ نے اپنے فارسی اشعار بھی شائع کئے ہیں دیباچے میں شاعری پر بڑی

جرح قدح کی ہے اور اس کو فضول محض قرار دیا ہے ان کے ادارہ اشاعت نے دیباچہ کے متعلق مجھ سے رائے طلب کی تھی جو میں نے لکھ کر بھیج دی ہے۔ کل غلام رسول اور سالک صاحبان آئے تھے وہ کہتے تھے کہ تذکرہ پر لکھے گئے لفظ "نارون" واو کے ساتھ ہے نہ دال کے ساتھ نارون ناروان ناروند تینوں طرح سے آتا ہے نارون واو کے ضم کے ساتھ بھی مولانا جامی نے لکھا ہے بالعموم واو کی فتح کے ساتھ آتا ہے۔ یہ ایک صنوبری قسم کا درخت ہے کہ فارسی شعرا معشوق کے قدو قامت کو اس سے تشبیہ دیتے ہیں۔ باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے جناب نواب صاحب قبلہ کی خدمت میں آداب عرض ہو۔ مضمون انگریزی قریب الاختتام ہے صرف اجماع اور قیاس پر لکھنا باقی ہے۔ ابتدائی حصہ تمام لکھا گیا۔ والسلام محمد اقبال

پانچواں خط

لاہور 25 اگست 1924ء

ڈیئر ماسٹر صاحب السلام علیکم

آپ کا خط ابھی ملا ہے، اور اس سے پہلے بھی ایک خط ملا تھا جس کا جواب میرے ذمہ ہے میں نے تو کئی روز ہوئے نواب صاحب کی خدمت میں لکھ دیا تھا کہ اگر نواب فقیر محمد خاں صاحب نہیں آسکتے تو ان کو لکھ دیا جائے کہ وہ بذریعہ تار سینئر سب جج کرنال کی خدمت میں اپنا استعفیٰ بھیج دیں۔ اب بھی ان کو یہی کرنا چاہئے اور تیسرے ثالث کی تقرری اگست کے اختتام سے پہلے ہو جانی چاہئے ورنہ پھر ستمبر میں عدالت دیوانی بند ہو جائے گی اور فیصلہ مقدمہ قانونی قابل تسلیم نہ ہو گا اگر سردار جوگندر صاحب کو تیسرا ثالث کر دیا جائے تو نہایت سہولت ہو گی کیونکہ وہ بھی شملہ میں ہیں۔

کیا نواب عمر دراز علی خاں اور سجاد علی خاں صاحبان شملہ میں نہیں ہیں؟ اگر وہ بھی وہاں موجود ہوں تو بہت اچھا ہو گا کیونکہ ایسی صورت میں ممکن ہے فریقین میں راضی نامہ ہو جائے۔ کام آسان نہیں ہے اور بہت دن لے گا ممکن ہے کوئی اکاؤنٹنٹ

حساب کتاب کی پڑتال کے لئے مقرر کرنا پڑے یہ بھی وقت لے گا ہاں فریقین راضی نامہ کرلیں تو بہت سہولت ہو جائے گی اور ان باتوں کی ضرورت نہ رہے گی مگر آپ نواب صاحب کی خدمت میں میری طرف سے عرض کر دیں کہ وہ اس کام میں تامل نہ کریں۔ وقت بہت تھوڑا ہے صرف پانچ چھ روز ہیں اس کے بعد عدالت دیوانی بند ہو جائے گی اور ستمبر کا سارا مہینہ آپ کچھ نہ کر سکیں گے اور اگر آپ کچھ نہیں کر سکتے تو عدالت کو ابھی سے جواب دے دینا چاہئے۔

چودھری غلام رسول آپ کے مضمون کا ذکر کرتے تھے میں نے ابھی تک وہ کتاب نہیں دیکھی ناظم ادارہ اشاعت تذکرہ نے مجھے لکھا ہے کہ اس پر تبصرہ اخبارات میں شائع کروں مگر میں نے عذر کر دیا ہے۔ مشرقی صاحب نے اپنی نظموں کو بھی شائع کیا ہے چند فارسی نظموں کا مجموعہ ہے جس کا دیباچہ اردو میں ہے اس دیباچے میں انہوں نے شعروشاعری کی خوب خبر لی۔ میرے پاس بھی ایک کاپی آئی تھی جو میں نے چودھری غلام رسول کو دے دی تھی۔

افغانستان کے متعلق پرسوں کے اخبار میں جو خبر شائع ہوئی تھی اس سے معلوم ہوا کہ کوئی دعویدار سلطنت کا پیدا ہوا ہے۔ غالباً وہاں انقلاب پیدا کرنے کی کوشش کی جارہی ہے جس کا منشا شاید یہ ہے کہ موجودہ نظام کو درہم برہم کر کے ملک کو اپنی پرانی حالت پر لوٹا دیا جائے لیکن یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ افغانستان اور سرحد کی اقوام ایشیا کا بلقان ہے۔ لطف یہ ہے کہ روسی اخبار برطانیہ کو ملزم قرار دیتے ہیں اور برطانوی اخبار روس پر الزام قائم کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ سلطنت کا وہ مفہوم جس کو یورپ کی خوفناک لڑائی بھی عملی طور پر غلط نہیں ثابت کر سکی، زمانہ حال کے تمام امراض کا ذمہ دار ہے جب تک یہ سلسلہ فنا نہ ہوگا دنیا میں کبھی امن قائم نہ ہوگا زمانہ حال میں اسلام نے سب سے پہلے اس کے خلاف پروٹسٹ کیا مگر اسلام کا پروٹسٹ بھی محض ذہن پر رہا بلکہ خود مسلمان جو اس پروٹسٹ کے حامل تھے اس مرض میں گرفتار ہو گئے۔

آپ "بانگ درا" کے لئے آرڈر نہ کریں نواب صاحب سردار امراؤ سنگھ اور آپ کے لئے تین کاپیاں محفوظ رہیں گی۔ آپ کے دوست احباب بھی فی الحال آرڈر نہ

کریں کل تک میں آپ کو لکھ سکوں گا کہ کس کو آرڈر پہنچنے چاہئیں۔

والسلام

نواب صاحب قبلہ کی خدمت میں آداب عرض ہو۔ محمد اقبال

چھٹا خط

لاہور 30 اگست 1924ء

ڈیئر ماسٹر صاحب السلام علیکم

آپ کا خط ابھی ملا ہے نواب صاحب کا خط بھی ابھی آیا ہے ان کی خدمت میں بھی جواب لکھا تاہم اب ارادہ شملہ آنے کا نہیں رہا۔ مرزا صاحب کل شام کہتے تھے کہ چند روز کے لئے چلنا چاہئے۔ سو اگر ان کا ارادہ ہو گیا تو ممکن ہے ستمبر میں دو چار روز کے لئے آجاؤں اب میں والد مکرم سے ملنے کے لئے سیالکوٹ جاؤں گا۔

خط کے آخری فقرے کا مطلب میری سمجھ میں نہیں آیا معلوم نہیں لکھنے والے کے ذہن میں کیا تھا۔

مجھے اس پوسٹ کا حال معلوم ہے کہ جس کا ذکر آپ نے کیا ہے میاں فضل حسین صاحب اس کے لئے کسی انگلینڈ ریٹرنڈ آدمی کی تلاش میں ہیں ان کا خیال ہے کہ اگر کوئی مسلمان بیرسٹر مل جائے تو بہتر ہو گا۔ بہر حال آپ مزید کوائف سے آگاہی پیدا کریں اگر آپ نے عرض کی تو میں میاں صاحب کو لکھ دوں گا۔ اگرچہ سیاسی آدمی پر اعتبار کرنا لاحاصل ہے۔ بانگ درا کی قیمت چار روپے سے بڑھے گی یہ شرط معاہدہ میں درج کر دی گئی ہے۔

آپ کے مضمون کی پہلی قسط آج "زمیندار" میں ملاحظہ سے گزری جسے پڑھ کر تعجب ہوا صاحب تذکرہ کے خیالات سے حیرت ہے وہ قرآن کو محض مادہ پرستی کی طرف لے جانے والی کتاب تصور کرتے ہیں اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن تجربے اور مشاہدہ کی طرف بار بار اپیل کرتا ہے۔ اور نظام عالم کی قوائے کی تسخیر پر مومن کو آمادہ

کرتا ہے مگر اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ کتاب سراسر جر ثقیل و جغرافیہ وغیرہ کی تلقین ہے کسی طرح بھی صحیح نہیں ہے اس عمل اور فعلی کوشش کا مقصود حکومت و سلطنت کا حصول نہیں (یہ ضمنی نتیجہ ہے کہ یورپ نے اسی کو مقصود اصلی تصور کر لیا ہے) بلکہ انکشاف حقائق ہے۔

پس ہر شدید سعی کا نتیجہ مومن کے نزدیک نظام عالم کی حقیقت اصلی کا انکشاف ہے جس کو قرآن مذہبی اصطلاح میں "تجلی الٰہی" سے تعبیر کرتا ہے۔ یعنی یہ انکشاف کہ نظام الٰہی کی بنا روحانیت پر ہے مضمون اجتہاد میں میں نے اس پر مفصل لکھا ہے

والسلام محمد اقبال

ساتواں خط

لاہور 18 اگست 1924ء

ڈیئر ماسٹر صاحب السلام علیکم

آپ کا خط ابھی پہنچا ہے الحمد للہ خیریت ہے۔ میں ابھی سیالکوٹ نہیں گیا اور نہ شاید اب جاسکوں اکتوبر میں مقدمات کرنال کا تصفیہ ہوگا نواب صاحب تو یہی لکھتے ہیں مگر امید نہیں کہ ایسا ہو بہرحال جب اکتوبر آئے گا دیکھا جائے گا۔

مضمون اجتہاد آج ٹائپ ہو کر تیار ہوگیا ہے۔ 32 ٹائپ شدہ صفحات ہیں غزل افسوس کہ نہ ہوسکی صرف ایک ہی شعر ہوا امید ہے کہ دوسرے موسم میں ہو، جو ہوا وہ شعر یہ ہے۔

خار و خس از سبک اندامی خود ہیچ نگفت گلہ بے ہودہ ز بیباکی دریا می کرد

بانگ درا پر "زمیندار" کا مضمون میں نے دیکھا ہے ہر ایک آدمی اپنے اپنے رنگ میں لکھتا ہے میری رائے میں بہتر ہوگا آپ اس پر ایک ریویو لکھ دیں اور تمام ضروری باتوں کو اس میں درج کردیں جس کی طرف توجہ دلانا ضروری ہے باقی مضمون طویل نہ ہو باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔

کوہاٹ کے فسادات کی خبریں میں نے بھی پڑھی ہیں (بڑے) صاحب کی تقریر بھی اخباروں میں شائع ہوئی ہے۔ اس میں وہ فقرہ درج ہے جو آپ نے لکھا ہے اس قسم کی جنگوں کا نتیجہ مجھے یقین ہے اچھا ہوگا۔ اور ہندوؤں کو جلد معلوم ہو جائے گا کہ مسلمان سے بگاڑ کرنا اچھا نہیں اس رپورٹ کے مطابق جو (بڑے) صاحب نے اسمبلی کے سامنے پڑھی ہے پچاس لاکھ کا نقصان ہوا ہے ہندوؤں کے تمام محلات اور مندر جلا دیئے گئے ہیں اور وہ شہر چھوڑ کر راولپنڈی آ گئے ہیں یہ بھی افواہ ہے کہ اس کے بعد خود مسلمانوں کے شیعہ اور سنی میں تنازعہ ہوا اور سخت جنگ ہوئی جس میں ڈیڑھ ہزار مسلمان مارے گئے ہیں۔ معلوم نہیں اللہ کو کیا منظور ہے۔ مسلمان کا لہو بہت سستا ہو گیا ہے۔ کیا حیرت انگیز امر نہیں کہ معمولی فساد پر ڈیڑھ ہزار مسلمان کٹ مریں۔ خیر جو کچھ بھی ہوا انشاء اللہ اس کا نتیجہ ضرور جلد نکلنے والا ہے۔ مگر ہر طرف حکمت عملی کا زور و شور بھی ہے حجاز میں جنگ شروع ہو گئی ہے "رف" پر سخت جنگ کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ عرب قوم کے ضمیر میں ہنگامہ پیدا ہو رہا ہے۔ اس قوم کی بیداری سے دنیا کی تاریخ کا ورق الٹ جائے گا۔ انگریز اب مسلمانوں سے تعلقات پیدا کرنے کی فکر میں ہیں زیادہ کیا لکھوں۔

نواب صاحب کی خدمت میں آداب عرض ہو۔ محمد اقبال

آٹھواں خط

لاہور 23 ستمبر 1924ء 24 ستمبر

کو موصول ہوا محمد حسین

ڈیئر ماسٹر صاحب السلام علیکم

آپ کا خط ابھی پہنچا ہے الحمدللہ خیریت ہے۔ مقبول محمود صاحب کے خیالات معلوم کر کے مجھے کچھ تعجب نہیں ہوا میں ان کے خیالات سے قدرے آگاہ ہوں۔ وہ جو کہتے ہیں کہ قرآن سے صرف توحید مانتا ہوں وہ بھی انہوں نے آپ کے یا نواب صاحب کے لحاظ کی وجہ سے کہا ہوگا۔ ورنہ جہاں تک میں ان کے خیالات کا اندازہ کر سکا ہوں۔

وہ قرآنی توحید کے بھی قائل نہیں میری ان سے ایک دفعہ مرزا صاحب کے مکان پر گفتگو ہو چکی ہے۔ جو ہندوستانی نیشنلزم کا ایک نتیجہ ہے ہندوستان میں آزادی افکار کی وجہ سے عجیب عجیب خیالات پرورش پا رہے ہیں۔ میں تو خدا کے افکار کو بھی اتنا خطرناک نہیں جانتا جس قدر (افکار خودی کو) اس قسم کے لوگ پہلے اپنے آپ سے انکار کرنے والے ہیں اور یہ انتہائی پستی ہے۔

شاخ نہال سدرہ خار و خس چمن مشو   منکر حق اگر شدی منکر خویشتن مشو

میرا خیال ہے کہ امرتسر میں ایک گروہ اس خیال کے آدمیوں کا ہے اور یہ گروہ اسلام میں نیا نہیں ہے۔ اسلامی حکومت کے زمانے میں پوشیدہ طور پر موجود تھا آج کل "گورنمنٹ کی خیر یار و مناؤ" کا زمانہ ہے اس واسطے اعلانیہ اپنے خیالات کا اظہار کر دیتا ہے لیکن دنیوی مناصب حاصل کرنے کی خاطر اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتا ہے اور مسلمانوں میں شمار ہونے سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ کاش کوئی طریق ایسا ہو جس سے یہ لوگ ممتاز ہو جائیں تاکہ عوام ان کے عقائد سے محفوظ رہیں۔

یہ تو کوئی مسلمان نہیں کہتا کہ موجودہ زمانے کے مطابق ترقی نہ کرو ہاں اگر ان لوگوں کے خیال میں قرآن ترقی کے رستے میں حائل ہے تو ثابت کر کے دکھائیں کہ وہ کون سے اصول قرآن ہیں جن کو ترک کر دینا ترقی کے لئے ضروری ہے۔ ترقی کے معنی بھی بتائیں کہ کس جانور کا نام ہے کیا یورپ کی ترقی ترقی ہے؟ وہاں کے بہترین آدمی اس ترقی سے متنفر ہیں۔ ان کا یہ کہنا کہ "اس قانون اور فلسفے کا زمانہ گیا جب قوم کا دارومدار محض قرآن پر ہی تھا" ان کی جہالت کی بے اندازہ وسعت کو ظاہر کرتا ہے۔ وہ تو زمانہ حال کے اساسی اصول سے بھی جاہل ہوتے ہیں۔ چہ جائیکہ اسلامی تہذیب کے اساسی اصول۔

باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے نواب صاحب کی خدمت میں میری طرف سے آداب عرض کریں گرمی کم ہو گئی ہے۔ لاہور کی صحت اس وقت بہت اچھی ہے۔ اجتہاد والے مضمون میں بہت سی باتیں آ گئی ہیں۔ خصوصاً وہ حصہ جو قرآن پر ہے اسے پڑھ کر مجھے امید ہے آپ بہت خوش ہوں گے۔

امریکہ کے مبصر نے خوب لکھا ہے سردار جوگندر سنگھ صاحب سے دریافت کیجئے کہ ان کا مضمون ختم ہوا یا نہیں؟ والسلام محمد اقبال

نواں خط

لاہور 10 اکتوبر 1924ء

ڈیئر ماسٹر صاحب السلام علیکم

آپ کا خط ابھی ملا ہے کل آپ کو ایک کارڈ لکھ چکا ہوں مجھے آپ کے استدلال سے اتفاق نہیں بلکہ مجھے اس میں بھی شک ہے کہ ان کی تصانیف کسی خارجی اثر کا نتیجہ ہیں۔ آج ہی صبح مجھے کسی نے کہا کہ مصنف نے تمام اچھی باتیں اسرار و رموز سے لے کر نثر میں لکھ دی ہیں۔ اور تمام بری باتیں اپنی طرف سے اضافہ کر دی ہیں۔ عجمی شاعری پر مجھ سے پہلے مولانا حالی حملہ کر چکے ہیں۔ البتہ میں نے جو حملہ کیا اس میں گہرائی زیادہ ہے اور یہ حملہ تصوف کے بعض سکولوں (کی) شاعری پر خاص طور پر کیا گیا تھا۔ اس میں بھی انہوں نے میری ہی تقلید کی ہے مگر چونکہ لٹریچر کے نفسیاتی احساس اور جس کے اثرات سے وہ پورے طور پر آگاہ نہیں اس واسطے وہ اغلاط میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ اور لٹریچر کو کلیتاً فضول سمجھنے لگے۔ یہاں تک کہ حضرت حسان پر بھی اعتراض کرنے سے نہ چوکے میری رائے میں اپنے خیالات کے متعلق خود ان کا ذہن صاف نہیں ہے۔ اور اس کی بھی یہی وجہ ہے کہ یہ خیالات مستعار ہیں۔ بہرحال آپ اپنے خیالات کے اظہار میں پورے طور پر آزاد ہیں۔ آپ چاہیں تو ان کا اظہار کریں مجھے آپ سے اس بارے میں اتفاق نہیں ہے۔

میں خود علم نبوت کو شعر پر ترجیح دیتا ہوں۔ اور شعر کو محض اس کا خادم جانتا ہوں۔ ان کے نزدیک یہ خدمت کے بھی قابل نہیں اور یہی بات غلط ہے نفسیات انسانی کی رو سے بھی اور انسانی تجربے کی رو سے بھی میری رائے میں اگر وہ اپنے طرز بیان میں محتاط رہتے تو شاید کوئی شخص ان پر اعتراض نہ کرتا۔ لیکن ان کا محتاط نہ رہنا بھی اسی وجہ سے

ہے کہ ان کا ذہن پورے طور پر اپنے خیالات کے اندرون و بیرون کے متعلق صاف نہیں ہے تکالیف شرعیہ کے متعلق جو کچھ انہوں نے لکھا ہے وہ اسی عدم غور کا نتیجہ ہے۔ بہرحال میں نے اپنی رائے مختصراً ظاہر کر دی ہے۔ آپ اپنے خیالات کے اظہار میں پورے طور پر آزاد ہیں۔

آج اخبار سیاست میں ترکی اخبار وقت کے حوالے سے لکھا ہے کہ غازی انور پاشا زندہ ہیں اور بولشویکوں کے خلاف گرجستان میں مصروف جہاد ہیں۔ یہ اخبار شاید 22 صفر 1343ھ کا ہے اس کے علاوہ سردار محمود طرزی کے ہمراہ ایک ترک سردار تھے۔ انہوں نے بھی انور پاشا کے زندہ ہونے کی تصدیق کی ہے یہ بھی اخبار میں شائع ہو گیا ہے معلوم نہیں انور کی زندگی موت کا معمہ کب کھلے گا۔ باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔

نواب صاحب کی خدمت میں آداب۔ مخلص محمد اقبال

دوسرا باب

ماسٹر محمد حسین کا

تبصرہ بر تذکرہ

چوہدری محمد حسین تحصیل پسرور ضلع سیالکوٹ کے رہنے والے تھے۔ مارچ ۱۸۹۴ء میں پیدا ہوئے اور ۱۶جولائی ۱۹۵۰ء کو ان کا انتقال ہوا۔ ۱۹۲۰ء میں اسلامیہ کالج لاہور سے ایم اے (عربی) کیا تھا۔ حقیقی معنوں میں ڈاکٹر اقبال کے ہمدرد، معتقد دوست اور سیکرٹری اسسٹنٹ تھے۔ فارسی، عربی اردو کے عالم ہونے کے علاوہ اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں شاعری بھی کرتے تھے بعد میں شاعری ترک کردی تھی۔ ادب (خالص ادب) کے حامی نہ تھے۔ نواب ذوالفقار علی خان کے بچوں کو گھر پر پڑھاتے تھے اس لئے ماسٹر کہلانے لگے۔ ان خطوط سے ظاہر ہوتا ہے کہ ماسٹر صاحب شملہ میں نواب صاحب کے ہاں مقیم تھے چنانچہ ۲۵ جولائی، ۵ اگست اور ۱۵ اگست کے خطوط میں نواب صاحب کے ذکر کے ساتھ ساتھ "ان کی خدمت میں آداب عرض ہو" بھی لکھا ہے۔ ان خطوط سے ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ماسٹر صاحب ان دنوں بیروزگار تھے جس کا ذکر ۲۵ جولائی اور ۳۰ اگست کے خطوط میں ڈاکٹر صاحب نے کیا ہے۔ بعد میں انہیں سرکاری ملازمت مل گئی تھی۔ ۱۹۳۶ء میں وہ پنجاب پریس کی لاہور برانچ میں سپرنٹنڈنٹ کے عہدہ پر فائز تھے کہ انہیں "خان صاحب" کے خطاب سے نوازا گیا اور ۱۹۴۳ء میں دوسری جنگ عظیم کے دوران "خان بہادر" کے خطاب کا "اعزاز" حکومت برطانیہ نے انہیں بخشا۔

سر محمد اقبال نے انہیں اپنے بچوں کا ولی مقرر کیا تھا اور ان کی وفات کے بعد ان کی تمام تصانیف و مجموعہ ہائے کلام انہی کی نگرانی میں شائع ہوتے رہے۔

"تذکرہ" کی اشاعت کے ایک دوماہ بعد ہی ماسٹر محمد حسین نے "تذکرہ" پر ایک تنقیدی خط علامہ مشرقی کو لکھا اور پھر چند روز بعد اسے روزنامہ "زمیندار" لاہور میں شائع کرادیا۔ ماسٹر صاحب کے اس طویل مکتوب (تبصرہ) کے کچھ چیدہ چیدہ اقتباس یہاں پیش کئے جاتے ہیں:۔

مسٹر عنایت اللہ صاحب مشرقی!

آپ کی کتاب "تذکرہ" اس وقت بعض افراد ملت کے ہاتھوں تک پہنچ چکی ہے۔ اس کا مطالعہ بعض حلقوں میں دلچسپی کا باعث ہے خاکسار نے اس کے مطالب و مضامین کو

بزعم خود ایک حد تک امعان نظر سے دیکھا ہے ملت اسلامیہ ایک خاص مدت سے مست خواب غفلت ہے اسے بیداری کے جتنے پیغام بھی دیئے جائیں کم ہیں جتنی فہمائشیں جتنی تنبیہیں بھی کی جائیں تھوڑی ہیں۔ آپ نے اس واماندہ و متفرق قوم کو جس شدومد سے دعوت عمل و اتحاد دی ہے اس کے زوال و انحطاط پر جس قلب و اضطراب کا اظہار کیا ہے اس کے اسلام اور اس کے قرآن کی جس محنت و کاوش سے نئی تفسیر کی ہے اس کی "اصلاح" اور اس کے اقتدار کے آپ جس بیتابی سے متمنی نظر آتے ہیں قوم ناہموار و ناگوار و اپنے موجودہ جمود و سکون کے زمانہ میں آپ کی جتنی بھی رہین احسان و امتنان ہو کم ہے اور محال ہے کہ آپ کے خاص احسان شناسوں کی نظروں میں وہ تاقیامت ناشکر گذاری کے طعن سے مخلصی پائے۔

آپ کے دیئے ہوئے پیغام کی آپ کی اپنی نگاہ میں یہ اہمیت ہے کہ آپ اسرار تقریر آوانہ صور کا ہم آہنگ ہو کر نہایت شدت کے ساتھ اس تحدی کا اعلان کرتا ہے کہ:۔

> مسلمانان عالم دین اسلام کی اس تبیین سے پچاس یا سو برس تک اور انکاری ہو لیں لیکن جب تک شدید العقاب خدا کا منتقمانہ عذاب اس طرح پر نازل نہیں ہوگا کہ موت کے علمبردار فدائی جلاد سینوں پر چڑھ چڑھ کرامت کا گلا گھونٹ رہے ہوں گے اور فنا کی لازوال حقیقت مین سامنے آحاضر ہوگی تب تک اس کتاب کے مقصود کی طرف ہمہ تن رجوع ہو جانے کی امید بحث ہے۔"

پیغام الٰہی کا تعطل

گویا آپ اس "تبیین" کے بعد اپنے فرض سے سبکدوش ہیں۔ آپ کیا آپ کے نزدیک اب خدا بھی اپنے فرض سے سبکدوش ہے پیغام دینے والے کے ذمہ حجت بالغہ تھی۔ پیغام لانے والے کے ذمہ "بلاغ" اور اب اس کے بعد دونوں بری الذمہ!

آپ کا شکریہ کہ آپ نبوت و الہام کے مدعی نہیں ہوئے۔ دعویٰ ہے تو صرف یہ

کہ قرن اول و اسلام کے پہلے تیس برس میں تو اسلام و قرآن صحیح طور پر سمجھے گئے مگر اس کے بعد ان کی حقیقت بالکل مسخ ہو گئی۔ بلا استثنا تمام مفسرین و محدثین اور متکلمین واویانے غلط تفاسیر باطل احادیث لایعنی، علم کلام اور بیہودہ لغات سے قرآن کی وہ کایا پلٹ کی کہ معنوی اعتبار سے توریت و زبور انجیل کی طرح قرآن بھی ایک محرف و مبدل کتاب رہ گئی ہے۔

"تذکرہ" ان معنوں میں قرآن حکیم کی تفسیر نہیں ہے جن معنوں اور اسلوب میں دنیا بھر میں تفسیر کی دوسری کتابیں لکھی گئی ہیں۔ بلکہ المشرقی نے تذکرہ میں قرآن حکیم کے صحیح مقاصد اور اس کے منجانب اللہ ہونے پر ایک مدلل و مسوط تبصرہ کیا ہے۔ دنیا کی ہر زبان میں لکھی جانے والی تفسیر میں سورہ فاتحہ سے سورہ میں بیان کردہ قرآنی حقائق کا دوسری تفسیروں سے ملتا جلتا رائج اور عمومی رنگ نہیں ہے بلکہ اس میں جدید انداز سے قرآنی اصطلاحات تراکیب اور مطالب عالیہ کی سائنٹیفک طریقے سے تشریح کی گئی ہے۔

قرآن حکیم کی ایک "نئی تفسیر" کی ضرورت کا احساس علامہ اقبال کو بھی تھا اور اپنے اس خیال کا اظہار انہوں نے مولوی محمد حسین کے نام اپنے ۲۱۔ اگست ۱۹۲۳ء کے خط میں بھی کیا۔ وہ لکھتے ہیں:۔

"دین کی نصرت کے لئے آسمانوں پر شور ہے مگر زمین والے خاموش ہیں۔" اور اسمانی آوازوں کو نہیں سمجھتے۔ خدا ان پر رحم کرے۔ اسلام کو علماء و مشائخ نے محض ایک قدیم ایشیائی مذہب کی صورت میں منتقل کر دیا۔ اگر کسی کو یہ معلوم نہ ہو کہ اسلام کی (عمر) صرف تیرہ سو سال ہے تو وہ مسلمانوں کے لٹریچر کا مطالعہ کرنے سے کبھی اس نتیجہ پر نہیں پہنچ سکتا کہ یہ اس قدر جدید مذہب ہے بلکہ مجھے یقین ہے کہ وہ عام خیالات کے اعتبار سے اسلام اور ایشیا کے دیگر مذاہب میں کوئی فرق نہ پائے گا۔ حالانکہ حق بات یہ ہے کہ جب ہم وید انجیل وغیرہ کتب کا مطالعہ کرنے کے بعد قرآن کا مطالعہ کریں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا خیالات کی ایک نئی فضا میں داخل ہو گئے ہیں۔ افسوس کہ مسلمانوں کو قرآن کی جدت کا کبھی احساس نہ ہوا بلکہ انہوں نے اس جدید کتاب کے

مطالب و حقائق کو قدیم اقوام کے خیالات کی روشنی میں تفسیر کر کے اس کے اصل مطالب و مفہوم کو مسخ کر دیا۔ اب اقوام اسلامیہ کی نشاۃ ثانیہ کے ساتھ خود اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی ضرورت ہے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کے صدقے میں مسلمانوں میں اس قسم کا مفسر پیدا کر دے جو اس گمشدہ حکمت کو پھر پا کر قوم کی نذر کرے۔

وصال کا زمانہ ابھی نہیں آیا قرآن قائم ہے صرف ایک غزل کا مطلع لکھ سکا۔

دلم کہ بیم و ہراسش ز پادشاہ نیست
حریف گردش چشم نمد کلاہ نیست"

مخلص محمد اقبال (تحقیق نامہ شمارہ ۲۔ ۹۳۔ ۱۹۹۲ء)

اقبال کی دعا بارگاہ رب العزت میں قبول ہوگئی اور اس حکمت گمشدہ اور متاع نادست رسیدہ کو پا کر المشرقی نے تذکرہ کی صورت میں قوم کی نذر کر دیا۔ قدیم اقوام کے افکار و خیالات، ظنون واہیہ، قیاس و رائے پر مبنی تفسیروں کے ظلمت کدے میں انہوں نے صرف علم اور صحیح علم کی برق مشتعل کو قرآن کے سامنے لا کر رکھ دیا اور اس طرح اس کی دروں رس، حقیقت کشا اور مبرق شعاعیں کلام خدا کے مطالب کی اصلی اور پہلی تہ تک پہنچا دیں۔ قانون خدا اور آئین رب العالمین کے متعلق جو بات بھی انہوں نے واقع الامر سمجھی اس کو بلا خوف سچ سچ کہہ دیا۔

یہ سچائی ماسٹر صاحب کو راس نہ آئی اور علم و نور کی شعاؤں سے ان کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ اقبال نے آسمانوں کا شور تو سن لیا تھا لیکن زمین "پر تذکرہ" کے چند ابتدائی صفحات سے زیادہ نہ دیکھ سکے۔

آفتاب اندرون خانہ وما ۔ دربدر میرویم ذرہ مثال
گنج در آستین و میگردیم ۔ گرد ہر کوئے بہریک مثقال

ماسٹر صاحب اپنے تنقیدی خط میں اب حقیقی استاد نظر آنے لگے ہیں جو خان مشرق کو اپنا شاگرد تصور کرتے ہوئے ہاتھ میں چھڑی پکڑے انہیں ڈانٹتے نظر آتے ہیں۔
ملاحظہ کیجئے

"اسوہ عمل کی ضرورت:-

قرآنی آیات کی تاویلات اگر آپ مغربی مسائل کے مطابق نہ بھی کریں تو آپ کا کیا حرج ہے؟ کیا قرآن آپ کو روکتا ہے کہ آپ ان علوم و فنون کے مسائل سے فائدہ اٹھائیں یا صنعت و تجارت، حصول آزادی و حکومت میں ان سے مدد لیں؟ یہ آپ کی بڑی کرمفرمائی ہے کہ آپ نے قوم کو دعوت عمل دی مگر یہ دعوتیں تو اس قدر دی جاچکی ہیں کہ کان اب سننے سے بیزار ہیں۔ "عمل" کا اسوہ پیش کرنا البتہ کوئی کام تھا۔ قرآن کی تاویل خواہ کیسی ہی جدید ہو۔ جب تک اس قوم کو عمل پر مجبور کرنے کی تاثیر پیدا نہ کی جائے۔ محض "قول" ہی کہلائے گی بے اثر تاویل تو حیطہ عمل سے خارج ہے۔ "گمری" پر مجبور کرنے والی تاویل و تفسیر بیشک "عمل" کہلا سکتی ہے مگر ایسے عمل پر مسلمانوں کو آمادہ کرنے کی مساعی آپ سے پہلے بھی کئی بزرگوار کر چکے اور ناکام ہوئے۔ قادیان وغیرہ میں آپ دیکھتے ہوں گے۔ اب تک ایسی مساعی مع التوکل فی النتائج کا سلسلہ جاری ہے، کیا آنجناب کے اس انکشاف کے بعد کہ قرآن ڈارون کے مسئلہ ارتقاء بقائے اصلح پر بالتفصیل حاوی ہے یا اس میں طبقات الارض کے تمام مدارج کا ذکر مشرح ہے مسلمان علوم وفنون میں ایجاد و اختراع شروع کردیں گے؟ انہیں تسخیر اشیاء کی فکر دامنگیر ہو جائے گی؟ وہ نظام ملت پر کمربستہ ہو جائیں گے؟ اگر آپ ان میں اتحاد و اخوت اور طاقت و حکومت پیدا کرنا چاہتے ہیں تو خدارا قرآن کی غلط اور ضروری تاویلات سے اس کام کو انجام نہ دیجئے۔ قرآن ہرگز ان کے راستے میں حائل نہیں۔ آپ یقین مانئے کہ وہ اس لئے ہاتھ پر ہاتھ دھرے نہیں بیٹھے۔ کہ وحی الٰہی کا کوہ گراں ان کی شاہراہ ترقی و اقتدار کو ہمیشہ کے لئے مسدود کرچکا ہے۔ آپ کا دل غیرت و غصہ سے لبریز ہے کہ مسلمان اجتماعی حیثیت میں عمل سے گر گئے۔ مگر یاد رکھئے کہ اس تنزل و انحطاط کی علت یہ نہیں ہے۔ انہوں نے قرآن کو ترک دنیا کا خیالی فلسفہ سمجھ لیا۔ نہیں یہ قرآن ہی کی برکت تھی اور اسی کے پیغام عمل کی تاثیر (جس کو آپ سمجھتے ہیں کہ شاید آپ ہی نے قرآن میں پہلی بار دریافت کیا ہے) کا کرشمہ تھا کہ انہوں نے قریبا تمام دنیا زیر نگیں رکھی یہ محض دعویٰ ہی نہیں دنیا میں صحیح تاریخ کی مالک صرف یہی ایک قوم

ہے کائنات انسانیت، امیوں عباسیوں ترکوں مغلوں اور پٹھانوں کو جھوٹ نہیں سکتی۔ اگر مسلمان قرآن کو محض تصوف اور خیالی فلسفہ ہی سمجھے ہوتے تو آج اس گئی گزری حالت میں بھی اس کی زبان سے اس قسم کے ترانے نہ نکلتے کہ ۔

تیغوں کے سائے میں ہم پل کر جواں ہوئے ہیں خنجر ہلال کا ہے قومی نشاں ہمارا

اور اب بھی آپ تسلی رکھیں زیادہ بدظنی سے کام نہ لیں۔

بے دست گہ نیم کہ ہنوز از ہوائے وصل شوریست در سرم کہ بساماں برابر است"

ماسٹر صاحب المشرقی کو تسلی دے رہے ہیں کہ آپ اطمینان رکھیں، خدا خیر کرے گا اسی قسم کی جھوٹی تسلیوں اور خوش فہمیوں میں ایک عرصہ سے مسلمان زعماء مبتلا تھے۔ علامہ اقبال اپنے ایک خط میں جو انہوں نے ۲۵ ستمبر ۱۹۲۲ء کو ماسٹر صاحب کے نام لکھا۔ لکھتے ہیں:۔

"لنڈن کی خبر جو آج کے اخبار میں شائع ہوئی ہے آپ کی نظر سے اس خط کے پہنچنے تک گزر جائے گی، یعنی یہ کہ قسطنطنیہ میں اس بات کا اعلان کیا گیا ہے کہ روس نے ترکستان کی آزادی تسلیم کرلی ہے اور غازی انور پاشا اس جمہوریہ کے صدر مقرر ہوئے ہیں، مگر اس سے زیادہ حیرت انگیز خبر یہ ہے جو ایک عربی اخبار (فی العرب) سے نقل کی گئی ہے اور آج کے اخبار میں شائع ہوئی ہے یعنی صدر جمہوریہ روس لینن نے ایک طویل رخصت بوجہ علالت لے لی ہے اور اس کی جگہ ایک مسلمان محمد سٹالن نام جمہوریہ روس کا صدر مقرر کیا گیا ہے۔ اللہ میاں نے تو معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہی دفعہ کفن پھاڑنا شروع کردیا ہے (یعنی اگر یہ خبر سچی ہے تو) گویا ایسا سمجھنا بعید از امکان نہیں۔" (مجلّہ تحقیق نامہ گورنمنٹ کالج لاہور شمارہ ۲۔ ۹۳۔ ۱۹۹۲ء)

المشرقی کو اسوہ عمل کی تلقین کرنے اور انہیں مسلمانوں کو اجتماعی حیثیت سے باعمل بنانے کی ترغیب دینے والے ماسٹر صاحب ان دنوں پنجاب پریس لاہور برانچ کی سپرنٹنڈنٹ کی کرسی سنبھالے بیٹھے تھے جب المشرقی شاہانہ زندگی اور اعلیٰ ملازمت کو چھوڑ کر غلبہ اسلام کے لئے ہندوستان کی بستی بستی اور شہر شہر میں دیوانوں کی طرح

مارے مارے پھر رہے تھے اور قوم کو اتحاد اخوت اور مساوات کے ذریعہ ایک حرکت، ایک قطار اور ایک تنظیم میں منسلک کر رہے تھے تاکہ اسلام کی عسکری زندگی اپنا کر وہ اپنی کھوئی ہوئی عظمت و حکومت کو پھر سے حاصل کر لیں۔ اسلام کی عظمت رفتہ کی بحالی کے لئے اسوہ عمل کی ترغیب کے باجود ماسٹر صاحب بذات خود انگریز کی عظمت و شوکت کو قائم و بحال رکھنے اور اسے دوام بخشنے کے لئے رات دن محنت و جانفشانی سے اس کی خدمت میں مصروف رہ کر پہلے "خان صاحب" اور پھر "خان بہادر" کے اعزاز سے نوازے گئے۔ جبکہ خان مشرقی حکومت برطانیہ کی آنکھ کا کانٹا بن گئے۔ ان کی شبانہ روز محنت و جانفشانی، جاہ و مال کی قربانی اور خون جگر سے سینچی ہوئی خاکسار تحریک کو انگریز کے کاسہ لیسوں کی شازش سے لاہور کے گلی کوچوں میں شہید کر دیا گیا۔ درجنوں خاکساروں کے خون پر منٹو پارک میں پاکستان کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔ اور مشرقی جنوبی ہند میں واقع قلعہ ویلور میں بلا مقدمہ چلائے پابند سلاسل کر دیئے گئے اور تیغوں کے سائے میں پل کر جواں ہونے والے خان صاحب مولوی محمد حسین انگریزی کی عطا کردہ معمولی سی کرسی پر بیٹھے شاید ڈاکٹر اقبال کے شعر۔

فتوے ہے شیخ کا یہ زمانہ قلم کا ہے دنیا میں اب رہی نہیں تلوار کارگر

کا ورد کر رہے تھے۔

"یہ ظالم گر گئے سجدہ میں جب وقت قیام آیا!"

ماسٹر صاحب اپنے تبصرہ بر تذکرہ میں خان مشرقی کو ہدایت کرتے ہیں!

"آپ کے لئے حقیقی کام کیا تھا:۔

عملی نہیں تو علمی اعتبار سے بھی آپ کا کمال یہ تھا کہ آپ اہل فرنگ پر (جو دانش و فرہنگ میں لاثانی ہونے کے مدعی ہیں) "محکمات" وحی کے اسرار واضح کر کے ان کی آنکھوں کو حیران اور ان کے دلوں کو دنگ کرتے۔ آپ صاحب علم تھے سائنس دان تھے "نظام" معاشرت و تہذیب کو قرآنی آیات سے اخذ کر کے بر سر بام لاتے، آپ کو چاہئے تھا کہ سیاست و تمدن میں قرآنی مساوات و متمیات کی حقیقت ان کے دل و دماغ

پر نقش کرتے۔ تاآنکہ سرمایہ داری و محنت کی تمام موجودہ جنگ کو جس نے لاکھوں بلکہ کروڑوں نفوس میں آپ "امن" قائم کرنے والے شمار ہوتے۔ بڑے بڑے مدعیان علم و حکمت ارباب عقل و تدبر اپنی عقل و فلسفہ کو آپ کے قدموں پر رکھ دیتے۔ اسلام فتح مند ہوتا۔ دنیا دیکھ لیتی کہ واقعی آپ کا مذہب دنیا کا آخری مذہب ہے۔ آپ کو بھی شکایت نہ رہتی کہ اسلام دنیا میں امن و اصطلاح پیدا کرنے سے قاصر رہا۔ یا آپ بحیثیت ایک سائنس دان کے کسی ایسی نئی ایجاد و اختراع کے موجد و مخترع ہوتے کہ یورپ کے موجودہ آبی و ہوائی آلات آپ کی ایجاد........ کے مقابلہ میں شکستہ بال و شکستہ پر ثابت ہوتے ایسی ایجاد کا اعلان آپ کسی اسلامی ملک میں کرتے۔ موجودہ نقشہ عالم سے آپ دیکھ سکتے ہیں کہ ابھی مسلمانوں کے پاس آزادی و حکومت کے کچھ نہ کچھ آثار باقی ہیں اس حکومت کو اس طرف توجہ دلاتے، اس کو سطوت و جبروت کا مالک بناتے اور اس طرح بقیہ محکوم بھائیوں کی بھی تھوڑی بہت مدد کر سکتے مگر آپ نے تو الٹا پرانے دقیانوسی مغربی مسائل سائنس کو قرآن سے کریدنا شروع کر دیا اور وہ بھی بالکل غیر مدلل طریق پر، یہ بات مسلمانوں میں کیا جذبہ عمل پیدا کرے گی؟ اگر آپ نے واقعی درد دل اور درد اسلام، پہلو میں رکھ کر یہ کتاب تصنیف فرمائی ہے تو آپ کا حقیقی فرض یہ تھا کہ آپ قرآنی آئین قرآنی سیاست قرآنی تمدن، قرآنی اخلاق وغیرہ کی اہمیت کا اعلان کرتے، اور اقوام مغرب کو اس نہج پر مسلمان بنانے کی کوشش کرتے۔

برکش آں نغمہ کہ سرمایہ آب و گل تست　　　اے زخود رفتہ تہی شد زنوائے دگراں
تورہ شناس نہ وزمقام بے خبری　　　چہ نغمہ ایست کہ در بربط سلیمی نیست

مگر آہ! دل کی یہ حسرت کب پوری ہوگی۔ قرآنی حقائق کو طشت ازبام کر کے بنی نوع انسان کو اخوت اسلامیہ میں متحد کرنے والا خدا جانے ابھی کب پیدا ہوگا۔

خضر وقت کو کہ تعمیر خراب ما کند　　　زانکہ گنجے ہست پنہاں ور تہ دیوار ما

معاف کیجئے گا میں تنقید سے وعظ میں چلا گیا۔"

ماسٹر صاحب کس سادگی سے سائنسی ایجادات Discoveries کو الہ دین کے طلسمی چراغ کا کرشمہ سمجھتے ہوئے خان مشرقی سے کہتے ہیں کہ "آپ بحیثیت ایک سائنس

دان کسی ایسی نئی ایجاد اختراع کے موجد و مخترع ہوتے کہ یورپ کے موجودہ آبی و ہوائی آلات آپ کی ایجاد کے مقابلہ میں شکستہ بال و شکستہ پر ثابت ہوتے۔ ایسی ایجاد کا اعلان آپ کسی اسلامی ملک میں کرتے .... اس حکومت کو اس طرف توجہ دلاتے اس کو سطوت و جبروت کا مالک بناتے۔" وغیرہ

چوہدری صاحب نے جس حقیقی کام کرنے کی المشرق کو تلقین کرتے ہوئے ۱۹۲۴ء کے نقشہ عالم پر اسلامی ملکوں کی نشاندہی کی، اس مسلم دنیا کے ناگفتہ بہ سیاسی حالات سے یقیناً ماسٹر صاحب بے خبر نہ تھے۔ خلافت عثمانیہ میں شامل مسلم ممالک کے حصے بخرے برطانیہ، فرانس اور اٹلی آپس میں تقسیم کرکے اپنی مونچھوں سے ان کا خون پونچھ رہے تھے۔ ہندوستان کے کئی سربرآوردہ مسلمان لیڈر اپنے انگریز آقاؤں کی فتح کے جشن مناکر اپنے صوبہ کے گورنروں کی وساطت سے "ملک معظم شہنشاہ برطانیہ" کو مبارک بادیں دینے کے لئے ایک دوسرے پر سبقت لے جانے میں مصروف تھے۔

دوران جنگ عظیم اول ۱۸-۱۹۱۴ء دہلی میں وار کانفرنس ہوئی۔ ماسٹر صاحب کے روحانی پیشوا ڈاکٹر محمد اقبال نے بھی ایک مسدس لکھی جو یونیورسٹی ہال لاہور میں پڑھی گئی۔ اس کے دو بند درج ذیل ہیں ۔

اے تاجدار خطہ جنت نشان ہند ۔۔۔ روشن تجلیوں سے تیری خاوران ہند
محکم تیرے قلم سے نظام جنان ہند ۔۔۔ تیغ جگر شگاف تیری پاسبان ہند
ہنگامہ وفا میں مرا سر قبول ہو
اہل وفا کی نظر محقر قبول ہو

تلوار تیری دہر میں نقاد خیر و شر ۔۔۔ بروز جنگ نور جگر سوز سیہ ور
رایت تیری سپاہ کا سرمایہ ظفر ۔۔۔ ازاد پر کشادہ پری زادہ یم بپر
سطوت سے تیری پختہ جہاں کا نظام ہے
ذرے کا آفتاب سے اونچا مقام ہے

(ذکر اقبال از عبدالمجید سالک)
بحوالہ خاکسار تحریک کی جدوجہد جلد سوم از ماسٹر شیر زمان)

ہندوستان کے اکثر مسلمان رہنماؤں کی سیاسی جدوجہد میں انگریز کی وفاداری کی یہ وہ افسوسناک داستان ہے جس میں اقبال جیسے مفکر، فلسفی اور مسلمانوں کے غم میں دل سوز نغمے گا گا کر انہیں بیدار کرنے والے "عظیم شاعر" "ہنگامہ وفا" میں انگریز کے حضور اپنا سر پیش کرتے نظر آتے ہیں!

جنگ کی ابتداء میں لاہور کے مسلمان اکابر نے برکت علی ہال میں قرارداد منظور کی جس میں کہا گیا۔ "یہ جلسہ مسلمانان پنجاب کی طرف سے اپنی گورنمنٹ اور شہنشاہ معظم کی خدمت میں ایک غیر متزلزل مکمل وفاداری اور عقیدت شعاری کا اظہار کرتا ہے اور سلطنت کی حفاظت میں اپنی خدمت اور تمام ذرائع پیش کرتا ہے۔" اس قرارداد کی تائید میں ڈاکٹر اقبال اور ملک برکت علی صاحب ایڈیٹر "ہزور" پیش پیش تھے۔

مقامات مقدسہ کی بربادی، جزیرۃ العرب پر برطانیہ کا بالواسطہ قبضہ اور خلافت اسلامی کی تباہی کے بعد ۱۹۱۸ء میں جب انگریز کو فتح ہوئی تو پنجاب کے مشائخ و پیران عظام نے دربار کے موقع پر پنجاب کے گورنر مسٹر ایڈوائزر اور لیڈی ایڈوائزر کو مہمان خصوصی کے طور پر مدعو کیا۔ (حیات امیر شریعت از جانباز مرزا)

اس دربار میں گورنر کو جو سپاسنامہ پیش کیا گیا اور اس پر پنجاب کے جن جید مشائخ عظام نے دستخط کیے ان کے اسمائے گرامی اور سپاسنامہ کے متن کو پڑھ کر کوئی حریت پسند اور غیرت مند انسان شرم سے پسینہ پسینہ ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا اس سپاسنامے کے ایک پیرا کا مختصر سا حصہ یہاں پیش کیا جاتا ہے۔

> "ہم وہ احسان کبھی نہیں بھول سکتے جب ترکوں نے ہمارے مشورے کے خلاف کوتاہ اندیشی سے دشمنوں کی رفاقت اختیار کی تو ہمارے شہنشاہ نے ازراہ کرم ہم کو یقین دلایا کہ ہمارے مقدس مقامات کی حرمت میں سرمو فرق نہیں آئے گا۔ اس الطاف خسروانہ نے ہماری وفا میں نئی روح پھونک دی ھل جزاء الاحسان الا الاحسان (احسان کا بدلہ احسان کے سوا نہیں ہے)

ہم ان احسانوں کو کبھی نہیں بھول سکتے۔ اب اس جنگ کے خاتمے پر صلح کانفرنس میں سلطنت ترکیہ کی نسبت جلد فیصلہ ہونے والا ہے۔ ممکن ہے یہ فیصلہ مسلمانوں کی امیدوں کے برخلاف ہو لیکن ہم بخوبی جانتے ہیں اس فیصلہ میں سرکار برطانیہ اکیلی مختار کار نہیں ہے بلکہ بہت سی طاقتوں کا بھی اس میں ہاتھ ہے۔ شہنشاہ معظم کے وزراء جو کوشش ترکی کے حق میں کرتے رہے ہم اس کے واسطے سے ان کے بہر حال مشکور ہیں۔ یہ امر مسلمہ ہے یہ جنگ مذہبی اغراض پر مبنی نہ تھی اور اپنے اپنے عمل کا ہر ایک ذمہ دار ہے۔

رموز مملکت خویش خسروان دانند گدائے گوشہ نشینی تو حافظا مخروش

"ہمیں نہایت رنج و افسوس ہے کہ ناتجربہ کار نوجوان امیر امان اللہ خاں والئی کابل نے کسی غلط مشورے سے عہد ناموں کے اور اپنے باپ دادا کے طرز عمل کی خلاف ورزی کرکے خداوند تعالی کے صریح حکم "اور وعدے کا ایفا کرو۔ ضرور وعدے کے متعلق پوچھا جائے گا۔" کی نافرمانی کی۔ ہم جناب والا کو یقین دلاتے ہیں ہم امیر امان اللہ خان کے اس طرز عمل کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں" (حیات امیر شریعت)

پیران عظام اور مسلمان اکابرین بشمول ڈاکٹر محمد اقبال اور ملک برکت علی کی برٹش ایمپائر کی خدمات عظیم، غیر متزلزل مکمل وفاداری اور عقیدت شعاری کو نظر انداز کرتے ہوئے چوہدری محمد حسین المشرقی کو جس حقیقی کام کرنے کی تلقین فرمارہے ہیں اس کو خود ماسٹر صاحب، ان کے رہبر و رہنما ڈاکٹر صاحب اور ان کے قبیل کا کوئی شاعر، فلسفی، عالم فاضل و پیر سرنہ کرسکا۔ بے خطر آتش نمرود میں کودنا خان مشرقی جیسے فرزانہ و دیوانہ ہی کا نصیبہ تھا۔ خرد دشمن اور عقل کو محو تماشائے لب بام سمجھنے والے عشاق سبک ساران ساحل ہی رہے۔

تذکرہ پر تنقید جاری رکھتے ہوئے ماسٹر صاحب لکھتے ہیں۔

"عربی لغت اور صرف و نحو پر اعتراض:۔

آپ قرآن سے قرآن کی تفسیر کرنے کے مدعی ہیں تفسیر و حدیث آپ کے نزدیک قابل التفات نہیں مگر آپ بھی جانتے ہوں گے کہ یہ دعویٰ کوئی انوکھا نہیں۔ اسی دعویٰ کے متعلق مفسرین کلام الٰہی کا یہ قول مشہور و معروف ہے کہ القرآن یفسر بعضہ بعضا یہ تو آپ کو کلی اختیار ہے کہ آپ بلا مدد تفسیر و حدیث قرآن کی تبیین کریں۔ آپ کے جس دعویٰ کی حقیقت فوق العقل بلکہ محال عقلی ہے وہ یہ ہے کہ آپ لغات و صرف و نحو سے بھی بے نیاز ہیں دنیا کو اپنے اس اعجاز کے قائل کرنے کے لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ آپ نبوت کا دعویٰ کریں مگر اس صورت میں یہ اعتراض وارد ہو گا کہ آپ پنجاب کے رہنے والے ہیں اور آپ کی زبان پنجابی ہے۔ جس الٰہی کتاب کی تفسیر کے آپ مدعی ہیں اس کا قول فیصل یہ ہے "وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومہ لیبین لہم" آپ یہ کہہ سکتے ہیں اور آپ نے کہا بھی ہے کہ قرآن کو لغت و صرف و نحو اور حدیث سے نہیں سمجھنا چاہئے "بلکہ" علم سے سمجھنا چاہئے۔ اگر آپ علم کی تعریف واضح نہ کرتے تو خیر ہم اسی حسن ظن میں مبتلا رہتے کہ علم سے INTUITION (وجدان) مراد ہو گا۔ جو الہام سے بس ایک دو ڈگری ہی کم ہے مگر افسوس کہ اب تو آپ کی تعریف "علم" بھی مایوس کر چکی۔

طبیعیات، تشریح الابدان، جر ثقیل وغیرہ علوم بیشک قرآن پاک میں مذکور ہوں گے مگر جن الفاظ جن عبارتوں میں یہ مذکور ہیں ان کو آپ کس طرح سمجھے؟ آپ نے زیادہ سے زیادہ یہیں پنجاب میں بی۔ اے یا ایم۔ اے میں عربی پڑھی ہوگی۔ وہ عربی جس کی لغات جس کی صرف و نحو ہی ہے جس کے آپ قائل نہیں تو آخر خدا نے اپنے کلام کے صحیح معانی کا القا آپ پر کس طرح کیا؟ کہنا پڑے گا کہ بذریعہ وحی الہام کیا۔ مگر بات وہی رہی خدا قرآن کی مذکورہ صدر آیت کے مطابق پنجاب میں عربی ملہم یا پیغمبر کیسے پیدا کر سکتا ہے؟ اس بات کا یہ کوئی ثبوت نہیں ہو گا کہ مرزا غلام احمد قادیانی کو بھی عربی میں الہام ہوا تھا۔

علم سے کیا مراد ہے:-

دیباچہ کو مطالعہ کرنے والا سادہ دل بہت مشتاق و مضطراب ہوتا ہے کہ "علم" تو تھوڑا بہت مجھے بھی ہے متقدمین و متاخرین کو بھی لوگ "عالم" بلکہ فاضل کہتے تھے اور کہتے ہیں اس نئے علم سے کیا مراد ہے۔ جس کا ذکر مصنف تذکرہ کی زبان پر جاری ہے انگریزی دان قاری کو اگر کچھ فلسفہ حاضر یا سائنس سے ذوق ہے تو وہ دل ہی دل میں کہتا ہے کہ یہ "علم" مصنف کے نزدیک انگریزی لفظ انٹلیکٹ (Intellect) کا ترجمہ ہے اور واقعی اس تہذیب و تمدن اور فلسفہ و سائنس کے زمانہ میں قرآن کی تفسیر ضرور انٹلیکٹ کے معیار پر ہونی چاہئے تھی خیر اسی گمان اور نیک ظنی میں دیباچہ ختم ہوتا ہے گمان کہتا جاتا ہے کہ ایک بڑی نامور ایم۔اے۔بی۔ایس۔سی۔آئی۔ای۔ایس رینگلر کتاب لکھ رہے ہیں مغربی افکار کی روشنی میں لکھ رہے ہیں "علم" کے معیار کے مطابق لکھ رہے ہیں کتاب کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا جاتا ہے کہ استدلال بے سروپا ہے کلیات بے معنی ہیں نتائج بے نتیجہ ہیں۔ حقائق سے بے رخی ہے واقعات تاریخ کی تائید نہیں۔ زبان اکثر غلط ہے غیر فصیح الفاظ و تراکیب کا شور و غل ہے مگر اس کے معنی کیا؟"

چوہدری صاحب جس بے رحمی اور بیدردی سے "تذکرہ" پر تنقید کی چھری چلا رہے ہیں اور بغیر دلیل و حوالہ کے اپنا سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے "تذکرہ" کے استدلال کو بے سروپا قرار دے رہے ہیں اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے "تذکرہ" کا سرسری طور پر مطالعہ کرکے اسے ذبح کرنا شروع کر دیا یا پھر وہ "تذکرہ" کو سمجھ ہی نہ سکے!

ماسٹر صاحب کے نزدیک علم سے مراد Intuition (وجدان) ہے جو الہام سے بقول ان کے بس ایک دو ڈگری ہی کم ہے۔ آنحضرت ﷺ حامل وحی اور صاحب کتاب نبی ہیں۔ ان پر خدا کی طرف سے جس طریقے سے وحی کا نزول ہوتا ہے، قرآن حکیم میں مختلف جگہوں پر اس کا ذکر ملتا ہے۔

حیرت ہے کہ سید المرسلین ﷺ کو خدا وحی کے ذریعہ حکم دیتا اور ہدایت فرماتا ہے کہ "اے رسول ﷺ! آپ اپنے علم میں زیادتی کی دعا مانگا کریں۔" جب کہ

"وحی" اور "کتاب" سے وہ پہلے ہی بہرہ مند چلے آ رہے ہیں اور ابھی وحی کا سلسلہ جاری بھی ہے، پھر اللہ میاں انہیں "وجدان" میں زیادتی و اضافہ کی دعا مانگنے کا کیوں کہہ رہے ہیں جو الہام سے ایک دو ڈگری کم ہے؟

علامہ مشرقی، انبیاء کی عظمت، مقام نبوت اور پیام نبوت سے تیس بتیس سال کی عمر تک آگاہ ہو چکے تھے، جبھی تو اس عمر میں انہوں نے "تذکرہ" جیسی معرکتہ الآرا کتاب تصنیف کی! نبوت اور پیغام نبوت کے متعلق وہ "تذکرہ" میں لکھتے ہیں۔

"لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ پیغام بنفسہ کیا تھا، وہ صدق بسیط اور نفس الامر کیا تھا؟ اس کی نوعیت کیا تھی؟ اس کا علم کیا تھا؟ وہ کیا تھا جو بن بن کے بگڑا اور جب تک پیغامبر آتے رہے پھر بنتا رہا؟ اگر انسان کی حس مشترک اس اہم اور دقیق سوال کا لاگ لپیٹ کے بدون کسی بلند مقام نظر سے حل کر سکتی ہے تو جواب یہ ہے کہ اس مالک کون ومکان اور جہاں پناہ بے نشاں نے بے نیازی کی شان میں ان دل باختہ لوگوں سے اگر کچھ کہا تو یقیناً انسان کی اپنی ہی بہتری کے لئے کہا، اسی کی بہبودی کو پیش نظر رکھ کر کہا! یہی ہو گا اور قطعاً ہے کہ اولاد آدم اس کارگاہ جہاں کے اندر کیونکر رہے؟ اور حیوانوں کے بالمقابل فطرت کی یہ امی اور جاہل مخلوق کیا کرے؟ اور کیسے چلے؟ وہ کیا ہے جس سے نسل انسانی کو زندگی کی اس تگاپوئے دمادم میں امن حاصل ہو، حفظ و ارتقا حاصل ہو، بقا اور رضا حاصل ہو، یہی اس بناء عظیم کا لب لباب تھا جو محکمہ قضا و قدر کے آستانہ عالیہ سے نبیوں کو ملی، اور یہی سچی نبوت ہے، یہی انتہائے علم و خبر ہے، کمال کشف و اکتشاف ہے۔" (دیباچہ تذکرہ صفحہ ۵)

نبوت تو بہت بڑی چیز ہے علامہ مشرقی نے کبھی ولی ہونے کا دعویٰ بھی نہیں کیا۔

تذکرہ کے دیباچہ میں وہ لکھتے ہیں:-

"اگر کسی بات کے کہہ دینے سے میں الٰہی معنوں میں مسلمان نہیں رہ سکتا تو اس کی کچھ پرواہ نہیں، آپ عامل نہ ہونے کی وجہ سے اسلام کی صورت کو مسخ کر دینا میرے نزدیک کسی طرح روا نہیں۔ باقی مسلمانوں کے ساتھ میں سب سے پہلے قصوروار ہوں، اور کسی نبوت، کسی معصومیت یا اعجاز، کسی کشف یا کرامت، کسی مجددیت یا قیادت،

فضیلت یا علم کا ادعا ختم نہیں کرتا۔" (تذکرہ صفحہ ۵۹)

"میں اسلامی جماعت کے اندر سب نظری اور اعتقادی، سب اقوالی اور اعمالی، سب اتباعی اور غیر اتباعی، سب شرعی اور فقہی تفرقے کے برخلاف ہوں سب کو علانیہ مٹانا چاہتا ہوں، سب مطیعوں اور مطاعوں، مریدوں اور مرادوں کو خدا کی سرزنش کا قطعی اہل اور عذاب آخرت کا مستوجب سمجھتا ہوں، لیکن باایں ہمہ اگر کوئی شخص یا جماعت اس کتاب کے کامل مطالعے کے بعد عقیدہ یا عملاً مجھ کو اسلام کے کسی نئے فرقے کا رہنما تصور کرے تو وہ میری دانست میں نہ صرف مجھے حصب جہنم بنا رہی ہے بلکہ آگے چل کر جہنم کی دہکتی ہوئی آگ میں ابدالاباد تک جلتے رہنا اسی کا حصہ ہے۔" (تذکرہ دیباچہ صفحہ ۶۱)

علامہ اقبال "صاحب الہام" کے ساتھ ایک "امام" کو ضروری سمجھتے ہوئے ماسٹر صاحب کو ۱۲ اگست ۱۹۲۳ء کے ایک خط میں لکھتے ہیں۔

"رباعیات" کی ترتیب کے متعلق آپ نے جو کچھ بھی لکھا ہے بجا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ شعر لکھ چکنے کے بعد مجھے اس میں مطلق دلچسپی نہیں رہتی۔ نفسیات کی رو سے شیعوں کے اس مسئلے میں صداقت معلوم ہوتی ہے کہ صاحب الہام کے ساتھ ایک امام بھی ضروری ہے جو الہامات کو مرتب کرے اور عقلی اعتبار سے ان کی ضروری تشریح بھی کرے۔ آپ سردار صاحب سے مشورہ کرکے ان کی ترتیب کرا لیں۔ دوسری ایڈیشن میں وہی ترتیب رکھی جائے گی مجھ سے یہ بار اٹھنا محال ہے عام طور پر ان کی موجودہ ترتیب وہی ہے جس میں وہ لکھی گئی تھیں۔" (مجلہ تحقیق نامہ ۹۳۔ ۱۹۹۲ء)

اپنی رباعیات کو الہام قرار دیتے ہوئے اقبال خود تو صاحب الہام بن گئے اور اس الہام کو ترتیب دینے کے لئے ماسٹر صاحب کو اقامت کا منصب تفویض کر دیا، باوجود اس بات کے کہ شعر لکھ چکنے کے بعد انہیں اس الہام میں کوئی دلچسپی بھی نہیں رہتی!

علامہ اقبال اور ماسٹر صاحب معصوم تھے کہ ایک صاحب الہام ہیں اور دوسرے امام ان کے ان بلند مقامات کے متعلق عام آدمی کیا کہہ سکتا ہے! البتہ یہ بات قابل غور

ہے کہ خدا نے فارسی زبان میں پنجابی ملمع کیونکر پیدا کر دیا!

"تذکرہ" کی اشاعت کے بارہ برس بعد جب علامہ مشرقی میدان عمل میں مسلمانوں کو اخوت و اتحاد کی لڑی میں پرو رہے تھے اس وقت علامہ اقبال قریبا بستر پر دراز تھے۔ وہ ضرب کلیم میں نبوت پر خامہ فرسائی کرتے ہوئے کہتے ہیں!

میں نہ عارف، نہ مجدد، نہ محدث نہ فقیہ
مجھ کو معلوم نہیں کیا ہے نبوت کا مقام
ہاں مگر عالم اسلام پہ رکھتا ہوں نظر
فاش ہے مجھ پہ ضمیر فلک نیلی فام
عصر حاضر کی شب تار میں دیکھی میں نے
یہ حقیقت کہ ہے روشن صفت ماہ تمام
وہ نبوت ہے مسلماں کے لئے برگ حشیش
جس نبوت میں نہیں قوت و شوکت کا پیام

قوت و شوکت کا نبوت کا یہ پیام غلبہ، وراثت زمین اور ارضی جنت کے حصول کے لئے ہی ہوگا ورنہ ان کے بغیر تو اس پیغام کی حیثیت بھنگ چرس اور افیون کے نشہ جیسی ہوگی!

اردو زبان کا طنطنہ اور جلال جس نے دیکھنا ہو وہ آج بھی "تذکرہ" اٹھا کر پڑھ لے جس کی زبان کو چوہدری صاحب اکثر غلط بتا رہے ہیں وہ "تذکرہ" میں بیان کردہ قرآن حکیم کے معانی، مطالب عالیہ، اصطلاحات و تراکیب کو کیا سمجھتے ہوں گے؟ اس کا اندازہ ان کے تبصرہ کے اس پیرا سے بھی ہو جاتا ہے

"تفسیر جنت:۔

قرآنی اصطلاح جنت، جمع جنات کی تفسیر میں آنجناب نے فرمایا ہے کہ قرآن نے کہیں تو جنات لکھا ہے اور کہیں "الجنات" اگلے مفسرین ان دونوں سے اگلی دنیا کی جنتیں ہی مراد لیتے رہے۔ حالانکہ ان کا الٰہی مفہوم یہ ہے کہ جہاں محض لفظ "جنات"

وارد ہوا ہے وہاں تو اسی دنیا کے باغ و بہشت یعنی زرخیز علاقوں کی حکومت کا خدا نے مسلمانوں سے وعدہ کیا ہے البتہ جہاں جنات پر الف لام تخصیص کا وارد ہے یعنی الجنات اس سے مراد آخرت کی جنت ہے مسلمانوں سے خدا نے گویا وعدہ کیا ہے کہ اگر تم متحد رہو طاقتور بنو، غالب ہو کر رہو تو ہم تم کو دنیا کے سب خطوں کے وارث بنا دیں گے۔ یہ بات بظاہر بہت دلفریب معلوم ہوتی ہے مگر یہ تو فرمائیے کہ خدا ایک قوم یا نسل کی زمینوں یا خطوں کو دوسری قوم کے حوالے کر دینے میں کس حد تک حق بجانب ہے۔ فرض کر لیجئے کہ حق بجانب ہے۔ پھر اگر مسلمان اپنے بنجروں اور ریگستانوں میں ابھی حملے اور فوج کشی کی تیاریوں ہی میں ہوں اور گرد و نواح کے زرخیز علاقوں والے پہلے ہی بذریعہ تبلیغ و تلقین اسلام قبول کر لیں تو خدا کے اس وعدہ پر ریگستانی و صحرائی مسلمانوں کا عقیدہ کس حد تک باقی رہ جائے گا۔ پنجاب میں اسلام پہلے آیا ہو کشمیر کے لوگ ابھی کافر ہی ہوں پنجابیوں کو جنت کشمیر کے وعدہ سے ابھی بھڑکایا ہی جا رہا ہو کہ کشمیری پہلے ہی مسلمان ہو جائیں فرمائیے پنجابی جاٹوں کی امیدوں کا کیا حشر ہو گا؟ وہ مسلمان ہی رہیں گے یا پھر "شدھ" ہو جائیں گے۔ اور پھر قرآن میں جن آیتوں میں لفظ "جنات" بغیر الف لام کے آیا ہے وہ تو بعض ایسی بھی ہیں والذین آمنو و عملو الصلحت سندخلھم جنت تجری من تحتھا الانھر خلدین فیھا ابدا لھم فیھا ازواج مطھرۃ و ندخلھم ظلا ظلیلا ([illegible])

وعدہ تو یہ ہے کہ یہ "دنیوی جنات" جب ایک دفعہ مسلمانوں کو مل جائیں گی تو پھر ابدالاباد تک انہی کے قبضہ میں رہیں گی اب آپ ہی فرمائیے کہ ہسپانیہ و فرانس و مقلیہ و ہنگری کی "جنات" ایک دفعہ مسلمانوں کو دے کر پھر ان سے واپس کیوں لے لی گئیں؟ یہ کہاں لکھا ہے کہ جنت دے کر پھر چھین بھی لیں گے؟ چھن جانے والی جنت پر مسلمان کبھی تھوکنا بھی گوارا نہ کریں اور پھر یہ کیا کہ ہم وہاں کی "ازواج مطہرات" بھی تمہارے ہی سپرد کر دیں گے۔ "مطہرات سے آپ غالباً کنواری عورتیں مراد لیں گے۔ افسوس ہے اگر خدا اس قسم کے لالچوں سے مسلمانوں کے دلوں میں دنیوی اقتدار و حکومت کا جذبہ پیدا کرے ایسی بیہودہ اور فضول امیدیں تو کبھی مسلمان کمانداروں نے

اپنی افواج کو نہ دلائی ہوں گی۔ دنیوی باغات کے متعلق قرآن میں لفظ جنت کئی دفعہ استعمال ہوا۔ آپ نے قرآن میں یہ کوئی نئی تحقیق نہیں کی مگر یہ کہنا کہ جنات بغیر الف لام کے جہاں آیا ہے وہاں ہر جگہ دنیا کے زرخیز علاقے ہی مراد ہیں بڑا ہی مضحکہ انگیز ہے۔"

مولوی صاحب کے تبصرہ بر تذکرہ میں "جنت" اور "الجنت" پر ان کی تنقید پڑھ کر محسوس ہوتا ہے کہ موصوف کا قرآن حکیم کا مطالعہ صرف ثواب آخرت کے لئے تلاوت تک ہی محدود تھا۔ قرآن حکیم کے مطالب عالیہ و معانی اور بنی نوع انسان کے نام اس آخری الٰہی پیغام کی حقیقت پر ان کی نظر ہی نہیں گئی۔ یا شاید انہوں نے قرآن حکیم پر غور و فکر کی زحمت ہی نہ اٹھائی ہو۔ کیونکہ انہیں اللہ کے اس آخری کلام کے مطالعہ سے قوموں کی فنا و بقاء، عروج و زوال اور استخلاف و استبدال کی حقیقت معلوم نہ ہو سکی۔

"اخروی جنت" (الجنت) کی طرح، دنیاوی جنت یا جنات ارض ابدی نہیں بلکہ ان کا خلود، ابدیت و ہمیشگی قوموں کے حسن عمل تک محدود ہے۔ جب کسی قوم کا حسن عمل، بدعملی، بے عملی، جمود و سکون میں بدل جاتا ہے تو دنیاوی جنات، وراثت زمین اور بادشاہت و غلبہ اس قوم سے دوسری باعمل قوم چھین لیتی ہے۔ قرآن حکیم کے استخلاف واستبدال کے واضح قانون کے مطابق بدکردار و جمود زدہ قوم سے وراثت زمین چھین کر دوسری باعمل قوم کو اس کا خلیفہ و جانشین بنا دیا جاتا ہے ایسی بے عمل اور ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جانے اور تنکا تک دہرا نہ کر سکنے والی قوم پر غلامی، محکومی، ذلت، مسکنت، بھوک، ننگ اور افلاس قبضہ کر لیتے ہیں اور پھر وہ قوم غلامی و محکومی کی ایسی عادی اور خوگر ہو جاتی ہے کہ اس چھن جانے والی جنت کی حسرت و ارمان تو ایک طرف وہ اس جنت پر تھوکنا بھی گوارا نہیں کرتی کیونکہ ان کے زعماء، علماء و مشائخ کے نزدیک یہ دنیا مردار ہوتی ہے اور اس کا طالب کتا! انگور کھٹے ہو جاتے ہیں کہ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر!

"تذکرہ" کی اشاعت اور ماسٹر صاحب کے تبصرہ کے کئی سال بعد عمل کی اہمیت

بتاتے ہوئے علامہ اقبال نے کہا:-

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

اور پھر ۱۹۳۶ میں انہوں نے یہ بھی کہا ۔

یہیں بہشت بھی ہے حور و جبرائیل بھی ہے
تری نگہ میں ابھی شوخی نظارہ نہیں

اور یہ بھی حضرت علامہ اقبال کا فرمان ہے ۔

فردوس جو تیرا ہے کسی نے نہیں دیکھا
افرنگ کا ہر قریہ ہے فردوس کی مانند

چالیس سے زائد صفحات پر پھیلے ہوئے اس تبصرہ کا اختتام کرتے ہوئے چوہدری صاحب فرماتے ہیں۔

"ایک آخری اور مختصر التماس---

لوگ کہتے ہیں کہ آپ کی کتاب بلحاظ طباعت چار قسم کی ہے پہلی قسم خاص جس کی قیمت کوئی قریباً ۱۲ روپے بتائی جاتی ہے۔ دوسری درجہ اول قیمت قریباً ۱۰ روپے تیسری درجہ دوم قیمت ۸ روپے چوتھی درجہ سوم قیمت ۴ روپے ہے جو اس خاکسار کی نظر سے گذری ہے نہ معلوم آپ نے کتنی تعداد میں تمام کتاب چھپوائی ہے ابھی آپ فرماتے ہیں ایسی نو جلدیں اور شائع ہوں گی نصف لاکھ کے قریب روپیہ اس پر اڑ جانا کوئی بڑی بات نہیں۔ مسلمان پبلک بڑی جاہل اور قدر ناشناس ہے آپ کے دل کو خسارے کا اندیشہ المناک کرتا ہوگا ایسے مہمات الامور کے لئے قارون کا خزانہ ہی کام دے سکتا ہے۔ جو کچھ آپ دس جلدوں میں مسلمانوں کو کہنا چاہتے ہیں کیا وہ اسی پانسوں صفحوں کی جلد میں نہیں آگیا۔ آپ کی قرآن کی تفسیر یہ ہے کہ اسلام دراصل فتح و غلبہ، حکومت و وراثت زمین کا نام ہے کہیں دس جلدوں سے مسلمان اتنے نہ بھڑک اٹھیں کہ حکومت وقت سے باغی ہو کر اس سے جہاد و قتال پر آمادہ ہو جائیں' جوش و غیرت اور ہمت

و آمادگی پیدا کرنے کے لئے میرے خیال میں یہی جلد ضرورت سے زیادہ کافی ہوگی۔ پنجاب کے لوگ تو آپ کی تلقین کا اثر قبول کریں یا نہ کریں سرحدی علاقہ کے پٹھانوں کے جذبات ضرور اس سے مشتعل ہو جائیں گے مگر خدا جانے آپ نے قرآن کی اس قسم کی تفسیرانی کی خاطر کی ہوں۔ یہ مضمون چٹھی کی شکل میں اس لئے لکھا گیا ہے کہ آپ ان اعتراضات کے رد میں ضرور کچھ نہ کچھ لکھنے کی زحمت گوارا فرمائیں۔ فقط"

بالاخر بلی تھیلے سے باہر آگئی اور ماسٹر صاحب کے دل کی بات ان کے منہ تک آ ہی گئی کہ المشرقی کی قرآن کی تفسیر کے مطابق اسلام دراصل فتح و غلبہ، حکومت و وراثت زمین کا نام ہے اور اس تفسیر سے مسلمان اتنے نہ بھڑک اٹھیں کہ حکومت وقت (انگریزی حکومت) سے باغی ہو کر اس سے جہاد و قتال پر آمادہ ہو جائیں۔ پنجاب کے مسلمان بغاوت کریں یا نہ کریں سرحدی علاقہ کے پٹھانوں کے جذبات "تذکرہ" کے مطالعہ سے ضرور مشتعل ہو جائیں گے اور وہ انگریزی حکومت کے خلاف بغاوت کریں گے۔

تم اسے بیگانہ رکھو عالم کردار سے
تابساط زندگی میں اس کے سب مہرے ہوں مات
خیر اسی میں ہے قیامت تک رہے مومن غلام
چھوڑ کر اوروں کی خاطر یہ جہان بے ثبات

☆==========☆

تیسرا باب

گورنمنٹ اور تذکرہ

گورنمنٹ اور تذکرہ

ڈاکٹر محمد اقبال کے نو غیر مطبوعہ نجی خطوط جو انہوں نے اپنے مقرب خاص اور متعمد ساتھی چوہدری محمد حسین کو لکھے تھے، گورنمنٹ کالج لاہور کے مجلہ "تحقیق نامہ" اور روزنامہ "نوائے وقت" میں شائع ہو چکے ہیں، اس لئے اب ان کی حیثیت نجی خطوط کی نہیں رہی بلکہ یہ تاریخی ورثہ اور قومی سرمایہ بن گئے ہیں۔ ان خطوط کے اصلی یا جعلی ہونے کی بحث سے قطع نظر ہم ان کو اصلی تصور کرتے ہوئے انہیں زیرِ بحث لانا ضروری سمجھتے ہیں خصوصاً وہ مکتوب جن میں علامہ محمد عنایت اللہ خان المشرقی کی شہرہ آفاق تصنیف "تذکرہ" اور ان کے فارسی مجموعہ کلام خریطہ کے اردو دیباچہ پر ڈاکٹر محمد اقبال نے اپنے شدید ردعمل کا اظہار کیا ہے۔

علامہ مشرقی کی تصانیف "تذکرہ" اور "خریطہ" 1924ء کے وسط تک شائع ہو چکی تھیں۔ اسی سال ڈاکٹر اقبال کا اردو مجموعہ کلام "بانگ درا" بھی شائع ہوا۔ ان خطوط میں بانگ درا کی اشاعت، جلد بندی، قیمت فروخت اور حقوق تقسیم کے متعلق بھی تفصیل سے ذکر ہوا ہے۔

علامہ مشرقی بحیثیت ایک ریاضی دان، ماہر تعلیم اور اعلیٰ سرکاری ملازم کے ایک مخصوص حلقے میں اس وقت بھی متعارف تھے لیکن ایک مصنف، ادیب اور مفکر، مفسر اور شارح قرآن کی حیثیت سے ان کا تعارف پہلی مرتبہ "تذکرہ" اور "خریطہ" کے ذریعے سے ہوا۔ انہوں نے ہندوستان کے ممتاز علمی سکالروں یورپ و امریکہ کے ممتاز سائنس دانوں اور افریقہ کے دانشوروں کے علاوہ اسلامی سربراہان مملکت کو بھی اپنی تصنیف "تذکرہ" بھجوائی۔ محترم ابوالکلام آزاد اور ڈاکٹر اقبال کو بھی تذکرہ اور خریطہ کی ایک ایک کاپی بھجوائی گئی جس کا اعتراف ڈاکٹر صاحب نے اپنے ان خطوط میں کیا ہے۔

علامہ اقبال کے ان خطوط سے ظاہر ہوتا ہے کہ ماسٹر محمد حسین کسی موضوع پر

اقبال سے وضاحت چاہتے اور وہ اس کا جواب لکھ دیتے، صاحبان تحقیق کے لئے ماسٹر صاحب کے خطوط اب زیادہ اہمیت کے حامل بن گئے ہیں کیونکہ ان کے کسی سوال، استفسار یا تبصرہ پر ہی ڈاکٹر اقبال نے انہیں جو کچھ لکھا وہ ماسٹر صاحب اس لئے سمجھ جاتے ہوں گے کہ ان کے پاس اپنے خطوط کی نقول موجود ہوتی ہونگی یا ان کے ذہن میں وہ سب کچھ محفوظ ہوتا ہوگا جو انہوں نے حضرت علامہ کو اپنے خط میں لکھا ہوتا۔ لیکن ایک ریسرچ سکالر کے لئے ماسٹر صاحب کے خطوط کی عدم موجودگی میں حقائق تک پہنچنا سو فی صد یقینی نہیں ہو سکتا۔ اس کمی کے باوجود حقیقت حال معلوم کرنے کے لئے جو مواد بھی اس وقت سامنے آیا ہے اس سے معاملے کی تہہ تک پہنچا جا سکتا ہے۔

ڈاکٹر اقبال کا 5۔ اگست 1924ء کا خط

5 اگست کے خط (تیسرے خط) میں ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:-

"تذکرہ کے چند صفحات میں نے دیکھے ہیں اور وہ بھی غالباً ابتدائی تھے اس سے زیادہ میں نہیں دیکھ سکا ممکن ہے آپ کی رائے صحیح ہو۔ یہاں لاہور میں ایک آدھ آدمی سے یہ سنا گیا ہے کہ کتاب گورنمنٹ کے خرچ پر شائع ہو رہی ہے کیونکہ اس میں بہترین مسلمان یورپ والوں کو ثابت کیا ہے۔ واللہ اعلم! یہ بات کہاں تک درست ہے۔"

تذکرہ 435 فل سکیپ صفحات پر مشتمل علامہ مشرقی کی اردو تصنیف ہے اور 144 صفحات عربی زبان میں افتتاحیہ کے ہیں۔ چھ سو بڑے صفحات کی کتاب کے چند ابتدائی صفحات ڈاکٹر صاحب نے دیکھے اس سے زیادہ وہ نہ دیکھ سکے، چوہدری صاحب نے خط میں کیا تبصرہ کیا جو ڈاکٹر صاحب نے لکھا "ممکن ہے آپ کی رائے صحیح ہو" یہ معاملہ ہنوز غیب میں ہے۔ ایک آدھ آدمی کی زبانی سنی سنائی بات کہ کتاب (تذکرہ) گورنمنٹ کے خرچ پر شائع ہو رہی ہے کیونکہ اس میں بہترین مسلمان یورپ والوں کو ثابت کیا گیا ہے، کو بلا مطالعہ و بلا تحقیق آگے بڑھا دینا علامہ اقبال جیسے صاحب فہم و ذکاء فلسفی، دانائے راز، اور حکیم الامت جیسی شخصیت کا شیوہ نہیں ہونا چاہئے تھا جبکہ کتاب "تذکرہ" ان

کے پاس موجود تھی اور وہ بطور خود اس کا مطالعہ کر کے حقیقت حال جان سکتے تھے کہ تذکرہ میں لکھا کیا ہے؟

وحدت مذاہب!

تذکرہ کے ابتدائی صفحات میں مذاہب عالم کی وحدت پر بحث کرتے ہوئے علامہ مشرقی نے لکھا:۔

"میرا یقین ہے کہ دنیا کے پیغامبر جہاں سے آئے تھے ایک ہی پیغام لائے تھے۔ انہوں نے اس کارخانہ جہاں کو ایک ہی چشم تحیر سے دیکھا تھا وہ انسان کی حیران کن مخلوق کو ایک ہی مقام بلند سے دیکھ کر تڑپ اٹھے تھے، حیرت کی بجلیاں، اور علم کی سنسنیاں ان کے بدنوں میں ایک ہی راہ سے داخل ہوئی تھیں۔ وہ اس سوال میں محو تھے کہ یہ سب کچھ کیا ہے اور کیوں ہے اس محویت اور عشق کے پردہ شکن اضطراب میں حجاب آرائے حقیقی نے چلمن کی آڑ میں جھلک دکھلائی اور کچھ کہہ کر پھر اوجھل ہوگیا۔ لیکن جو کہا وہ سب ایک تھا، نوائے ساز ایک تھی، بوسہ بہ پیغام ایک تھا۔ چشمک ناز ایک تھی، کلمہ راز ایک تھا۔ جب تک یہ محرم اسرار لوگ اس دنیا میں رہے اس راز کو برملا کہتے رہے۔ سولی پر چڑھ چڑھ کر اور رسوا ہو ہو کر خلق خدا کو آمادہ عمل کرتے رہے سب کو ایک نصب العین اور ایک قانون پر متحد کرتے رہے، لیکن جب حقیقت ناشناس اور ناجلوہ آشنا لوگوں نے اس کام کو سنبھالا تو لوگوں کو آپس میں ٹکڑے ٹکڑے کردیا۔ پیغام خدا غلط سنا کر اپنے پیچھے صفیں کھڑی کردیں، آج سطح زمین پر خدائے قاہر کا عذاب اکثر اسی ضد اور بغاوت سے ہے یہ تنگ ظرفی کی چڑ اور نابلند بینی کی ضد ہی ہے جس نے دنیا کو اکثر قصاب خانہ بنا رکھا ہے اور اگر چندے یہی حال رہا تو نسل انسانی کا خدا حافظ ہے۔" (تذکرہ صفحہ ۳۰۴)

یورپ والوں کا حشر!

یورپ والوں کو بہترین مسلمان ثابت کرنے کے الزام کا جواب بھی "تذکرہ" کے انہی ابتدائی صفحات میں دیکھتے ہیں جن کا مطالعہ حضرت اقبال نے ضرور کیا ہوگا۔

"صدہا امتیں دیکھتے دیکھتے اس روئے زمین سے محو ہو گئی ہیں، ان کے عہد عروج کے حیرت انگیز کارنامے آج صرف افسانوں میں باقی ہیں، ہلاکت کا حکم خسروی کئی ایک کے بارے میں نافذ ہو چکا ہے یا ہو رہا ہے مگر ان کے اسباب فنا و انحطاط، ان کے اس دنیا میں برے طرز عمل، ان کے برے دین اور غلط مذہب، کا علم حاصل کرنا کچھ ضروری نہیں رہا۔ المانیہ اپنے بے نظیر علم حقائق الاشیاء، فقید المثال عسکریت اور محیر العقول قوت ہجوم کے باوجود حال کے محاربہ عظمیٰ (۱۸-۱۹۱۴) میں شکست فاش کھا چکا ہے، مگر اس دہشت انگیز الٰہی فیصلے کی لم کو جاننا، فریقین کے اعمال کی مسل کا اضافی اور مکمل مطالعہ کرنا، انگریز کی مجموعی اصلیت اور المانی کی اجتماعی عدم صلاحیت کی تہہ تک پہنچنا، مغربی مفتش کی نگاہ میں چنداں ضروری نہیں۔ خود انگریز کا اگلا رعب و وقار اس کی اپنی مستعمرات پر چند برسوں سے اس تیزی سے مٹ رہا ہے، مشرقی مقبوضات پر اس کی گرفت اسقدر بے ثبات اور ڈھیلی ہو رہی ہے کہ الٰہی عجائب نمائیوں اور تماشہ آرائیوں کو دیکھ کر بدن کے رونگٹے کھڑے ہو رہے ہیں، لیکن انگریز کی گمراہی، اس کی بے راہ روی، اور اس کے غلط مذہب کا صحیح علم رکھنا یا اس کی تدریجی عدم صلاحیت کے بواعث کو مدون کرنا کچھ لائق توجہ نہیں رہا! کیا انسان کے لئے اس دنیا کی ہر شے کو دریافت کرنا، ان کی داخلی ترکیب و ترتیب کے دَرپے رہ کر ان سے طلب عمل کرنا تو ثواب ہے مگر خود اپنے بارے میں اس بات کا علم رکھنا کہ دنیا کے اس ناپید اکنار محیط اور کارزار جہاں کی اس حیران کن تگادو میں وہ صحیح چل رہا ہے یا غلط چل رہا ہے، اس کی مجموعی روش بعینہ کیا ہو، تمکن اور امن کیونکر ہو، حفظ و دوام کس طرح حاصل ہو، غالب اور فائز المرام کیسے رہے، فی الحقیقت جرم عظیم ہے؟" (تذکرہ۔ دیباچہ صفحہ ۱۱)

تذکرہ کے ان ابتدائی صفحات کو پڑھ کر 1924 میں ڈاکٹر غلام جیلانی برق جیسے منکر خدا اور بہت بڑے دہریہ دوبارہ مقر خدا ہو کر مذہب کی طرف لوٹ آئے (نقوش

شخصیات نمبر ا

جمہوریت کے نتائج

ماسٹر محمد حسین کے نام خطوط میں جہاں بھی "تذکرہ" کا ذکر علامہ اقبال نے کیا ہے اس سے یہی تاثر ملتا ہے کہ انہوں نے اس کتاب کا مطالعہ نہیں کیا بلکہ وہ سنی سنائی باتوں پر اپنی رائے کا اظہار فرماتے رہے۔ 5 اگست کے اسی مکتوب میں وہ مزید حاشیہ آرائی فرماتے ہوئے لکھتے ہیں۔

> "جمہوریت کے زمانے کے یہ ضروری نتائج جو آپ دیکھ رہے ہیں ادب، مذہب، فلسفہ وغیرہ سب کچھ اس کی نذر ہو جاتا ہے اور ہر آدمی اپنے آپ کو ہر کام کا اہل تصور کرلیتا ہے، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ تمام مطالب عالیہ "ولگر" (Vulgar) ہو جاتے ہیں۔ قرآن میں اس نکتے کو مد نظر رکھ کر صحیح معنوں میں ایک ارسٹوکریسی (اشرافیہ) قائم کی ہے "ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم" تقویٰ میں تمام قوتوں کا کمال داخل ہے۔ اسلامی ارسٹوکریسی خون اور رنگ پر مبنی نہیں بلکہ تقویٰ اور پاکیزگی پر ہے۔ یہی ارسٹوکریسی مطالب عالیہ کی اہل ہے۔"

علامہ مشرقی، علامہ اقبال سے عمر میں چھوٹے سہی لیکن ان کا علمی مقام بہت بلند تھا۔ وہ ایک ماہر ریاضی دان اور سائنسدان تھے، فزکس، کیمسٹری، انجینئرنگ کے علاوہ عربی و فارسی کے ٹرائی پوس آنرز تھے اور ریاضی میں رینگلر کے فوق الاعلیٰ مقام پر فائز ہو چکے تھے۔ ان تمام علوم میں انہوں نے کیمرج یونیورسٹی میں 19 تا 23 سال کی عمر میں جو تعلیمی ریکارڈ قائم کئے وہ تاحال قائم ہیں۔ یورپ میں اپنے پانچ سالہ قیام تعلیم کے دوران ان کا کوئی سکینڈل آج تک سامنے نہیں آیا۔ ان کے کردار کی پختگی اور عظمت کی گواہی ان کے اکثر ساتھیوں نے دی۔ ان کا بڑے سے بڑا دشمن بھی ان کے کردار پر حرف زنی نہیں کر سکتا۔ تقویٰ میں جن تمام قوتوں کا کمال بقول علامہ اقبال داخل ہے۔ وہ ان سب سے بہرہ ور تھے۔ علامہ اقبال کی طرح انہیں بھی کسی عوامی یا جمہوری ادارہ

نے منتخب نہیں کیا تھا کہ وہ ادب، مذہب، فلسفہ اور دیگر علوم پر اپنی رائے کا اظہار کریں بلکہ یہ ان کے بلند علمی مقام کا تقاضا تھا کہ وہ ان تمام علوم جن پر ان کی دسترس ہے لکھیں۔ قرآن حکیم میں تقویٰ کا جو مقام خدائے بزرگ و برتر نے بتایا ہے اس پر تذکرہ میں علامہ مشرقی نے فوق الاعلیٰ علمی بحث تفصیل سے کی ہے اسکے باوجود علامہ اقبال اپنی ذات کو تو نام نہاد اسلامی ارسٹوکریسی (اشرافیہ) سے متعلق گردانتے ہیں جو اسلامی اصول شریعت، فقہ اور اجتہاد پر لکھنے کا حق رکھتی ہے لیکن مشرقی جو سائنس اور ریاضی کے مرد میدان ہی نہیں عربی اور فارسی زبانوں کے سکالر بھی ہیں انہیں قرآن حکیم کا طالب علم ہونے کے باوصف اسلامی مطالب عالیہ کی تشریح کا اہل نہیں سمجھتے بلکہ علامہ مشرقی جیسے نابغہ اگر اسلامی علوم پر لکھیں تو اسے جمہوریت کے زمانے کے ضروری نتائج گردانتے ہوئے تمام مطالب عالیہ کا ولگر ہو جانا قرار دیتے ہیں۔

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا!

علامہ اقبال 25 جولائی 1924ء کے خط میں ماسٹر محمد حسین کو لکھتے ہیں:-

"سود کے متعلق میں نے بھی بحث دیکھی ہے مگر یہ مضمون سخت مشکل ہے اور اس پر لکھنے کے لئے فقہ کی کتابوں پر پورا عبور ہونا چاہئے، تاہم اس مضمون میں شاید یہ مسئلہ بھی آ جائے۔ ہر ملک کے حالات مختلف ہیں اور اب اس قسم کے مسائل کا فیصلہ اسلامی ممالک کی مجلسوں میں ہوا کرے گا جو قانون وضع کرنے والی ہیں کسی فرد واحد کا اجتہاد کسی مسئلے میں ناکافی سمجھا جائے گا۔ بالفاظ دیگر یہ کہئے کہ مختلف اسلامی ممالک کے لوگوں کا اسلامی ضمیر بحیثیت مجموعی ان مسائل کا فیصلہ کرے گا اور یہی ہونا بھی چاہئے۔ اس طرح کی جمہوریت کا تجربہ اسلام کے لئے نیا ہے۔"

علامہ اقبال اسلامی ممالک کے لوگوں کے اسلامی ضمیر کو بحیثیت مجموعی ان کے مسائل کے حل کے لئے جمہوری طریق کار کو ضروری قرار دیتے اور دوسری طرف اس کو جمہوریت کا لازمہ بھی گردانتے ہیں کہ ادب، مذہب، فلسفہ سب کچھ اسی کی نذر ہو جاتا ہے جو ان کے مطالب عالیہ کو "ولگر، عامی، بازاری، سوقیانہ اور نخش" بنا دیتا ہے۔ بندوں کو گننے والی جمہوریت سے تشکیل پانے والی مجلس قانون ساز کو اس کا اہل

بھی گردانتے ہیں کہ وہ اسلامی قوانین میں اجتہاد کے اس عظیم کام کو اجتماعی اسلامی ضمیر سے کرے جس کی اہل وہ اسلامی ارسٹوکریسی کو ہی قرار دیتے ہیں۔ پیام مشرق میں جمہوریت کے عنوان سے وہ فرماتے ہیں:۔

متاع معنی بیگانہ از دوں فطرتاں جوئی؟
ز موراں شوخی طبع سلیمانے نمی آید

گریز از طرز جمہوری غلام پختہ کار شو
کہ از مغز دوصد خر فکر انسانے نمی آید

ایک ابوالکلام آزاد، ایک اقبال اور ایک مشرقی کی فکر کا بدل نہیں ہوسکتے۔ کتابوں کے بوجھ سے لدے ہوئے دو لاکھ گدے بھی صرف سود کے مسئلے پر لکھنے کے لئے اقبال جیسی عظیم علمی شخصیت تسلیم کرتی ہے کہ "اس کے لئے فقہ کی تمام کتابوں پر پورا عبور ہونا چاہئے۔" تو دونوں کی گنتی سے قائم ہونے والی مقننہ میں وہ اہل علم کہاں سے اور کیسے آئیں گے جبکہ علامہ اقبال نے اپنی تمام نثری حکمت اور شعری مجموعوں میں اسلامی جمہوریت کا کوئی ہلکا سا خاکہ بھی پیش نہیں کیا، ان کا یہ تضاد بھی سمجھ سے بالا تر ہے کہ وہ سلطانی جمہور کے لئے ہر نقش کہن کو مٹانے کی تلقین کرتے ہیں جبکہ "رموز بیخودی" میں!

مضمحل گردد چو تقویم حیات
ملت از تقلید می گیرد ثبات

راہ آبا رو کہ ایں جمعیت است
معنی تقلید ضبط ملت است

کا سبق دیتے ہیں اور ضرب کلیم میں مشرق و مغرب کا موازنہ کرتے ہوئے تقلید و جمہوریت کو دونوں کے مرض کا سبب بتاتے ہیں۔

یہاں مرض کا سبب ہے غلامی و تقلید
وہاں مرض کا سبب ہے نظام جمہوری

نہ مشرق اس سے بری ہے نہ مغرب اس سے بری
جہاں میں عام ہے قلب و نظر کی رنجوری

انہیں اجتہاد کی ضرورت کا احساس بھی ہے اور یہ بھی ارشاد فرماتے ہیں:۔

اجتہاد اندر زمان انحطاط
قوم را برہم ہمی پیچد بساط

ز اجتہاد عالمان کم نظر
اقتدا بر رفتگاں محفوظ تر

یہ نہیں معلوم کہ "عالمان" کم نظر علماء کی تعریف میں کیسے آ گئے؟ اور بیسویں صدی میں بارہویں صدی کے رفتگان اور افتگان خاک کی اقتدا اور تقلید سے اس عہد کے لوگوں کے مسائل کیونکر حل ہونے لگے؟'

قوموں کی بقا کے لئے قرآن حکیم کے دس اصول!

علامہ مشرقی نے قوموں کی بقاء استحکام، اجتماعی خوشحالی، ترقی، تمکن اور دنیا پر غالب آنے کے لئے قرآن حکیم سے اخذ کردہ دس عالم آرا اصول ا۔ سعی و عمل۔ ۲۔ جہاد بالمال ۳۔ ہجرت ۴۔ جہاد بالسیف والانفس ۵۔ اطاعت امیر ۶۔ وحدت امت ۷۔ توحید ۸۔ علم ۹۔ مکارم اخلاق اور ۱۰۔ ایمان بالآخرہ "تذکرہ" میں پیش کئے۔ ان کے نزدیک جو قوم ان دس اصولوں میں سے جتنے اصولوں پر عمل پیرا ہے، کارخانہ فطرت سے اس قوم کو اس کے اتنے عمل کے مطابق انعام مل رہا ہے۔ فطرت کی میزان قسط و عدل میں قوموں کے اعمال تولے جاتے ہیں۔ دین فطرت میں کوئی قوم اور کوئی امت بھی خدا کی لاڈلی نہیں ہے۔ دنیا کے اکثر بہترین ملک مغربی اقوام نے مسلمانوں سے چھین لئے اور ان پر قابض ہو گئے تو قانون فطرت کے میزان میں مغربی اقوام مسلمانوں سے زیادہ اصلح کردار و معیار میں اتریں اور مسلمانوں سے اسی عدم صالحیت اصلحیت کی بنا پر ان کے ملک و سلطنتیں دوسری صالح اقوام کے حوالے کر دی گئیں۔

مغرب کا قرآنی دس اصولوں میں سے چند پر عمل:۔

علامہ مشرقی مغرب کے دین فطرت پر عمل اور مسلمانوں کی اس دین سے عملاً بغاوت اور بے رخی پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"مغرب آج اس دین فطرت کے صرف چار یا پانچ اصولوں پر کماحقہ عمل کر رہا ہے اور فطرت کے خزانہ عامرہ سے بے مثال امن حاصل کر رہا ہے۔ مسلمانوں کا ایک اصل پر بھی کچھ عمل نہیں رہا۔ اس لئے جلد مٹ رہے ہیں۔ آج ان کے کسی گروہ میں توحید باقی رہی ہے نہ اتحاد، نہ طاعت ہے نہ قابل ذکر امیر، نہ جہاد بالسیف کے ولولے ہیں نہ ایثار مال، نہ اعمال خدا کا علم ہے نہ استقامت، نہ ایمان بالآخرۃ ہے نہ مکارم اخلاق، نہ خوف عذاب ہے نہ طمع ثواب، نہ شوق اصلاح ہے نہ ذوق ایمان۔

خلافت کا منصب جس کا ایک فلاحی اور اعتقادی، ایک ناکار بر آر اور مضحکہ انگیز ڈھانچ قرنوں کے عطل و جمود کے بعد باقی ہے صرف ایک عضو معطل ہے جس کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔" (تذکرہ دیباچہ صفحہ ۱۲۹)

خلافت کو تو اسی سال اتاترک نے عضو معطل سمجھتے ہوئے ترک قوم سے اس کا بوجھ اس لئے بھی اتار دیا تھا کہ ہندی مسلمانوں نے دس روپیہ ماہوار کے عوض عراق شام مصر و حجاز میں ترکوں کے سینے اپنے گولیوں سے چھلنی کئے تھے اور عرب مسلمانوں نے ترکوں کی غلامی کا جوا اتارتے اتارتے انگریزوں اور فرانسیسیوں کی غلامی کا پھندا اپنے گلے میں ڈال لیا تھا۔

یورپ کے لوگوں کے بہترین مسلمان ہونے کی بجائے علامہ اقبال نے اہل چین کا نام لے کر بال جبریل میں فرمایا:۔

حضور حق میں اسرافیل نے میری شکایت کی
یہ بندہ وقت سے پہلے قیامت نہ کر دے برپا
ندا آئی کہ آشوب قیامت سے یہ کیا کم ہے
گرفتہ چینیاں احرام و مکی خفتہ در بطحا!

ان اشعار میں علامہ اقبال نے اہل چین کو مسلمانوں پر فوقیت دیتے ہوئے کہا کہ

انہوں نے اسلام کے اصولوں کو اپنا لیا ہے اور اہل مکہ بطحا میں سوئے پڑے ہیں۔ اہل چین نے تو اسلام قبول نہیں کر لیا تھا، پھر بھی انہوں نے "گرفتہ چینیاں، احرام" کا حکیم سنائی کا مصرعہ لے کر بڑی خوبصورتی سے اپنے دل کی آواز اور اپنا مفہوم ادا کر دیا۔

اسی انداز میں اپنے مجموعہ کلام بال جبریل میں ایک فتویٰ صادر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

اگر ہو عشق، تو ہے کفر بھی مسلمانی
نہ ہو تو مرد مسلماں بھی کافر و زندیق

علم کی تعریف اور جنون و خرد کی کارفرمائی!

"تذکرہ" میں پیش کردہ دس قرآنی اصولوں میں المشرقی نے "علم" کو بھی ایک بنیادی اصول ٹھہرایا ہے اور علم کی قرآنی تعریف انہوں نے یہ بتائی کہ علم وہ شے ہے جو براہ راست سمع (کان) اور بصر (آنکھ) اور فواد (ذہن سلیم) کے ذریعے سے حاصل ہو۔ یعنی جس شے کو آنکھوں سے دیکھا جائے، کانوں سے سنا جائے اور ذہن سلیم اس شئے کے موجود ہونے کی تصدیق کرے۔ علامہ مشرقی سائنسدان ہونے کے ناطے سے عقل سلیم اور خرد کی اہمیت سے واقف تھے وہ جنون و وجدان کو عقل و خرد کے تابع سمجھتے تھے خرد کو جنون و وجدان کا تابع و غلام نہیں جانتے تھے۔ اقبال جہاں صاحب جنون ہونے کی دعا مانگتے نظر آتے ہیں وہیں المشرقی خرد کو انسانی مسائل کو حل کرنے کا وسیلہ و ذریعہ سمجھتے ہوئے "رب زدنی علما" کی دعا مانگتے ہیں، اور قرآن حکیم میں آخری رسول صلعم کو الٰہی ہدایت کی اہمیت اجاگر کرتے نظر آتے ہیں۔ کاش حضرت اقبال تذکرہ میں پیش کردہ ان دس آفاقی اصولوں پر ہی اپنی رائے کا اظہار کر دیتے اور محض سنی سنائی باتوں پر کان نہ دھرتے تو آنے والی نسلوں کے لئے یہ ایک بہت بڑا سرمایہ ہوتا۔

حکومت برطانیہ اور علامہ مشرقی

علامہ مشرقی پہلے ہندوستانی تھے جن کا تقرر اپنی قابلیت کی بنا پر (۱۹۱۷ء) حکومت ہند دہلی کی انڈین ایجوکیشن سروس (آئی۔ ای۔ ایس) میں بطور انڈر سکریٹری ہوا تھا۔ انہیں

۱۹۲۰ء میں مسلمانوں کی کابل کی طرف ہجرت رکوانے کے لئے حکومت برطانیہ نے نائٹ ہڈ کے خطاب کے ساتھ کابل کی سفارت کی پیش کش کی جسے انہوں نے تین دن کے مسلسل غور و خوض کے بعد یہ لکھ کر کہ "مجھے یہ پیشکش منظور نہیں اگر مجبور کیا گیا تو میرا استعفیٰ حاضر ہے۔" اس اعلیٰ عہدہ کو مسترد کر دیا۔ اس انکار کی گستاخی کے بدلے میں انہیں ان کا اپنا پرانا منصب بھی نہ دیا گیا اور انہیں اسلامیہ کالج پشاور کا پرنسپل مقرر کرنے کی بجائے گورنمنٹ ہائی سکول پشاور کا پرنسپل بنا دیا گیا۔ تحریک ہجرت (جس کے وہ خلاف تھے) کی ناکامی سے متاثر ہو کر انہوں نے "تذکرہ" لکھنا شروع کیا اور چھ جلدیں ۱۹۲۲ء تک مکمل کر کے پہلی جلد کی طباعت اسی سال شروع کرا دی۔ تذکرہ کی پہلی جلد معہ عربی افتتاحیہ ۱۹۲۴ء کے وسط تک چھپوا کر مشاہیر تک پہنچا دی گئی۔ اس تمام دور میں علامہ مشرقی برٹش حکومت کے معتوب ہی رہے کیونکہ انہوں نے حکومت کے تمام القابات، خطابات، اعزازات اور سفارت کے اعلیٰ عہدے کو قومی مفاد میں اسلامی غیرت و حمیت کے ساتھ پائے حقارت سے ٹھکرا دیا تھا۔

انگریز ہندی مسلمان مہاجروں کو امیر امان اللہ خان والئ افغانستان کی حکومت سے ٹکرا کر ان سے اپنی ۱۹-۱۹۱۸ء کی شکست کا بدلہ چکانا چاہتے تھے اور مشرقی نے برٹش استعمار کے ہاتھوں کھلونا بننے سے انکار کر دیا تھا وہ برٹش امپریلزم کے شدید مخالف تھے ایسی حکومت کو کیا پڑی تھی کہ وہ "تذکرہ" کی اشاعت کے اخراجات برداشت کرتی پھرے! حیرت کی بات ہے کہ اسی دور میں علامہ اقبال کو "سر" کے خطاب سے نوازا گیا جس پر ان کے حلقہ نشین اور قریبی ساتھی تک پکار اٹھے! کہ

سرکار کی دہلیز پہ سر ہو گئے اقبال

کیا اسلامی ارسٹو کریسی کا وجود ہے؟

اقبال فرماتے ہیں کہ اسلامی ارسٹو کریسی کی بنا خون اور رنگ پر نہیں ہوتی بلکہ تقویٰ اور پرہیزگاری پر استوار ہوتی ہے (مکتوب 5 اگست 1924ء)

تقویٰ کی تشریح المشرقی نے تذکرہ کے صفحات ۱۴۵ سے ۱۴۸ تک بڑے دلاویز علمی

انداز میں کی ہے!

"جامع القلوب خدا کی نظروں میں ایک مدعیٔ ایمان کا صحیح تقویٰ اسی کامل مصالحت اور اتحاد عمل کا مسلک عمل تھا۔ یہی وہ سچی ہدایت اور یقینی فلاح تھی جس کا حاصل کرنا ہر مسلمان کا منتہائے سعی اور مقصد حیات ہو سکتا تھا۔ خدائے برتر کی صحیح معنوں میں عبادت (غلامی) اور اس کے جاہ و منصب کے سچے خوف (تقویٰ) کا صحیح پیش نہادیہی ہو سکتا تھا کہ ایک مقتدر حاکم کے کئی ملازموں کی مانند اس کے بندوں میں تالیف قلوب کے جذبات پیدا کرنے کا باعث بن کر اسلامی معاشرہ میں اخوت و مساوات کی نہر سلسبیل دوڑا دیتا ہے" (تذکرہ مقدمہ صفحہ ۱۴۶-۱۴۵)

علامہ مشرقی کے نزدیک تقویٰ کسی ارسٹوکریسی (اشرافیہ) کی تشکیل کی بنیاد نہیں بنتا بلکہ اللہ کی غلامی و عبودیت سے اس کے تمام بندوں میں تالیف قلوب کے جذبات پیدا کرنے کا باعث بن کر اسلامی معاشرہ کو اخوت و مساوات کے اصولوں پر سیسہ پلائی ہوئی دیوار بنا دیتا ہے۔

وہ کہتے ہیں!

"کیا یہ اللہ کا محبت آمیز ڈر، کیا یہ اس سب سے بڑے سپہ سالار کا ہول مرتبت، کیا یہ اس قائداعظم تعمؐ کا عشق انگیز خوف، کیا یہ اس دلق پوش پیغمبر صلعم کا رعب رسالت، یورپ کی حصن پوش توپوں اور رومتہ الکبریٰ کی قلعہ نشین فوج کی منجنیقوں سے بدرجہا مدہش اور مہلک ترین ہتھیار نہ تھا جس نے صدر اسلام کے متقی مومنوں کو انہی شکستہ نیزوں اور کند تلواروں کے ذریعے سے روئے زمین کے شاداب تر ملکوں کا وارث بنا دیا تھا۔" (تذکرہ مقدمہ صفحہ ۱۵۵)

"تذکرہ" میں تقویٰ، پاکیزگی، اتحاد، اخوت و مساوات پر مبنی اور نفاق و انتشار سے صاف و شفاف، منزہ و پاک جس اسلامی معاشرہ کا نقشہ المشرقی نے کھینچا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کی تحریروں سے اسلامی فکر و حکمت کے مطالب "دگر" نہیں

ہوئے بلکہ نکھر کر اور صاف ستھرے ہو کر اور بھی ارفع و اعلیٰ ہو گئے ہیں۔ ان کے نزدیک تقویٰ وراثت زمین کی پہلی سیڑھی ہے۔ وراثت کے حق دار اللہ کے صالح بندے ہوتے ہیں۔ "ان الارض یرثہا عبادی الصلحون (۲۱-۱۰۵) اور وراثت زمین اور غلبہ اسلام کی منزل تک عمدہ اور اعلیٰ کردار کے لوگ ہی پہنچ سکتے ہیں۔ علامہ مشرقی "ولقد کرمنا بنی آدم" کی قرآنی حکمت اور فلسفہ تکریم انسانیت کے مطابق اس خیالی اور فرضی ارسٹوکریسی کے نام نہاد شرفاء سے کوسوں دور تھے جو دن کی روشنی میں تو امت مسلمہ کے زوال و انحطاط پر "خون کے آنسو" روتے، دردانگیز آہیں اور کراہیں بھرتے، دلسوز و دلفگار نوحے اور مرثیے گاتے نظر آتے اور رات کے پردہ پوش اندھیرے میں ؟اس بازار" کی کسی حسین و جمیل، دلربا اور دلنواز طوائف کے کوٹھے پر صوفی شعراء کا وجد آفریں کلام طبلے کی تھاپ، گھنگھروں کی جھنکار ہارمونیم کی لے اور ستاروں کی دھن پر سننے کو چلے جاتے کہ "مجرا" اس دور کے کلچر کا حصہ تھا!

رند کے رند رہے ہاتھ سے جنت نہ گئی!

علامہ مشرقی اس "ولگر کلچر" اور مجرا کی بازاری ثقافت سے دور رہے کہ ان کے سینے میں آزادی کی لگن اور غلبہ اسلام کی تڑپ تھی۔ بعد میں یہی تڑپ خاکسار تحریک کی صورت میں قومی پکار بن کر ظاہر ہوئی جس نے دیکھتے ہی دیکھتے پشاور سے راس کماری اور کراچی سے رنگون تک لاکھوں انسانوں کو ایک رنگ میں رنگ کر ایک قطار میں کھڑا کر دیا۔

چوتھا باب

اقبال اور تذکرہ

اقبال اور تذکرہ

۲۵ اگست ۱۹۲۴ء کے خط میں ڈاکٹر اقبال چوہدری محمد حسین کو لکھتے ہیں۔

"چوہدری غلام رسول آپ کے مضمون کا ذکر کرتے تھے میں نے ابھی تک وہ کتاب نہیں دیکھی۔ ناظم ادارہ اشاعت تذکرہ نے مجھے لکھا ہے کہ اس پر (تذکرہ) تبصرہ اخبارات میں شائع کروں مگر میں نے عذر کر دیا ہے۔"

علامہ اقبال نے "تذکرہ" پر بلاواسطہ کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ بلکہ اب تک "تذکرہ" کے متعلق ان کی جتنی گفتگو بھی آرہی ہے وہ انہی خطوط کے حوالے سے ہو رہی ہے جو انہوں نے اپنے متعمد دوست ماسٹر محمد حسین کو لکھے تھے۔ ماسٹر صاحب نے ایک طویل خط میں تذکرہ پر اپنے اعتراضات لکھ کر علامہ مشرقی کو بھجوائے تھے جن کا المشرقی نے ان کو کوئی جواب نہ دیا۔ تذکرہ کے دیباچہ کے آخری صفحہ پر انہوں نے اس بات کی وضاحت کر دی تھی۔ وہ لکھتے ہیں۔

"جس سرد مہری یا گرمجوشی سے اس کتاب کا عالم اسلام میں استقبال ہو گا مجھے اس سے سروکار نہیں۔ میں نے اپنی طرف سے علم اور منطق دونوں پیش کر دیئے ہیں۔ اجمال اور تفصیل دونوں یک جا کر دی ہیں۔ جس نے اس اجمال سے کچھ حاصل نہیں کیا اس کے لئے دلیل اور تفصیل آگے آرہی ہے، جس نے تفصیل کو دیکھ کر کچھ نہیں سمجھا اس کے لئے اجمال حاضر ہے۔ اسلام کی ماہیت کے متعلق جو کچھ میں نے کہا اور کہنا ہے میری نگاہوں میں حقیقت ہے فی الجملہ اور بحیثیت مجموعی حقیقت ہے پس اس امر کے متعلق کسی حیص بیص میں پڑنا میری نظروں میں عبث ہے۔ میں اسلام کے اندر اس کی اس "آفتاب لب بام" حالت میں کوئی نیا فرقہ پیدا کرنا نہیں چاہتا، نہ معترض سے مخالفانہ رویہ اختیار کر کے مجھے اپنا اعلا

مقصود ہے، پس نہ مجھے اس تحریر کے موید سے اعتنا ہے نہ مخالف سے سروکار۔ اگر تمام عالم اسلام بیک آواز اس کا موید بن کر اس پر عامل ہوگیا تو میں سمجھوں گا کہ میرا مقصود حل ہوگیا اور اگر یہ نہیں تو خیری اور فطیری کی بحث میں پڑنا یا ایک گروہ کی آمادگی عمل پر خوش ہوجانا میرے نزدیک لاطائل ہے۔" (تذکرہ دیباچہ صفحہ ۱۳۲-۱۳۱)

جن لوگوں نے صاحب تذکرہ کو تذکرہ کی تعریف و توصیف میں خطوط لکھے ان کو جواب بھی انہیں نہیں دیا گیا۔ ماسٹر صاحب کو اپنے طویل مراسلہ کا جواب موصول نہ ہوا تو انہوں نے اپنے خط کو تذکرہ پر تنقیدی تبصرہ کی صورت میں روزنامہ "زمیندار" لاہور میں شائع کرادیا۔ ان کا تبصرہ روزنامہ زمیندار میں چار قسطوں میں شائع ہوا اور پہلی قسط ۳۱ اگست ۱۹۲۴ء کے شمارہ میں شائع ہوئی ماسٹر صاحب کے اس تبصرہ بر تذکرہ پر کتاب کے دوسرے باب میں تفصیل سے بحث آچکی ہے۔ اخبار میں پہلی قسط پڑھ کر ڈاکٹر صاحب نے اسی روز ماسٹر صاحب کو حسب ذیل خط لکھا۔

علامہ اقبال کا صاحب تذکرہ کے خیالات پر تعجب!

لاہور ۳۰ اگست ۱۹۲۴ء

ڈیئر ماسٹر صاحب السلام علیکم

آپ کے مضمون کی پہلی قسط آج "زمیندار" میں ملاحظہ سے گزری جسے پڑھ کر تعجب ہوا صاحب تذکرہ کے خیالات سے وہ قرآن کو محض مادہ پرستی کی طرف لے جانے والی کتاب سمجھتے ہیں اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن تجربے اور مشاہدے کی طرف بار بار اپیل کرتا ہے اور نظام عالم کی قوائے کی تسخیر پر مومن کو آمادہ کرتا ہے مگر اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ کتاب سراسر جر ثقیل و جغرافیہ وغیرہ کی تلقین ہے کسی طرح بھی صحیح نہیں ہے۔ اس عمل اور فعلی کوشش کا مقصود حکومت و سلطنت کا حصول نہیں (یہ ضمنی نتیجہ ہے کہ یورپ نے اسی کو مقصود اصلی تصور کرلیا ہے) بلکہ انکشاف حقائق ہے۔

پس ہر شدید سعی کا نتیجہ مومن کے نزدیک نظام عالم کی حقیقت اصلی کا انکشاف

ہے جس کو قرآن مذہبی اصلاح (غالباً اصطلاح) میں "لقائی الٰی" سے تعبیر کرتا ہے یعنی یہ انکشاف کہ نظام عالم کی بنا روحانیت پر ہے۔ مضمون اجتہاد میں میں نے اس پر مفصل لکھا ہے۔ والسلام محمد اقبال"

علامہ اقبال کے ۳۰ اگست کے خط کے نتائج

علامہ اقبال اپنے اس خط کے آغاز ہی سے تعجب اور حیرت کا اظہار کرتے ہیں جو روزنامہ زمیندار میں ماسٹر صاحب کے مضمون کی پہلی قسط کے مطالعہ سے انہیں صاحب تذکرہ کے مبینہ خیالات پر ہوا۔ گویا اس سے قبل انہیں صاحب "تذکرہ" کے ان خیالات کا علم نہ تھا جو ماسٹر صاحب نے اپنے مضمون میں بیان کئے تھے۔ ماسٹر محمد حسین نے اپنے مضمون میں تذکرہ سے اخذ کردہ جو نتائج بیان کئے تھے ڈاکٹر صاحب نے بھی تذکرہ کو بلا پڑھے انہی نتائج کو من وعن صحیح تسلیم کر کے ان پر اپنے خیالات کا اظہار کر دیا۔ علامہ اقبال نے اس مکتوب کو پڑھ کر جو نکات اخذ کئے وہ کچھ یوں ہیں۔ (۱) مشرقی قرآن کو محض مادہ پرستی کی طرف لے جانے والی کتاب تصور کرتے ہیں۔ (۲) نظام عالم کے قوائے کی تسخیر پر قرآن اگرچہ مومن کو آمادہ کرتا ہے مگر اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ قرآن سراسر جرثقیل و جغرافیہ وغیرہ کی تلقین ہے کسی طرح بھی صحیح نہیں۔ یعنی مشرقی نے قرآن کو سراسر جرثقیل اور جغرافیہ کی کتاب تصور کر لیا ہے۔ (۳) عمل اور فعلی کوشش کا مقصود حکومت و سلطنت کا حصول نہیں بلکہ انکشاف حقائق ہے۔ (۴) ہر شدید سعی کا نتیجہ مومن کے نزدیک نظام عالم کی حقیقت اصلی کا انکشاف ہے یعنی یہ انکشاف کہ نظام عالم کی بنا روحانیت پر ہے۔

اس خط سے قبل اپنے ۵۔ اگست کے خط میں بھی ڈاکٹر صاحب تذکرہ کے بارے میں ایک آدھ آدمی کی زبانی سنی سنائی بات لکھ چکے تھے۔ اور یہی کیفیت ۳۰ اگست کے مندرجہ بالا خط کی بھی ہے۔

قرآن حکیم کی تعلیم کا لب لباب!

علامہ مشرقی کبھی بھی مادہ پرست نہیں رہے۔ کوئی موحد اور خدا پرست مسلمان

"مادہ پرستی" کی تلقین کر ہی نہیں سکتا۔ قرآنی فکر پر مبنی ان کی تعلیم کا لب لباب تین نکات میں بیان کیا جا سکتا ہے جو ہر دیدہ ور پر دانش و بینش کے نئے دروازے کھول دیتا ہے۔

اول :۔ اس کائنات کو پیدا کرنے والا یقیناً کوئی وجود ہے جس کے حکم پر کائنات کا یہ تمام نظام چل رہا ہے اور لامحالہ وہ ذات باری تعالیٰ ہے۔

دوم :۔ یہ صحیفہ فطرت، یہ کائنات، یہ سلسلہ کون و مکان باطل نہیں، جھوٹ نہیں، خیال نہیں، خواب نہیں، سراب نہیں، فریب نظر نہیں بلکہ ہر نقطہ نظر سے واحد اور مکمل حقیقت ہے جو خدائے زمین و آسمان کا واحد اور بے مثال کارنامہ ہے۔

سوئم :۔ انسان اس کارخانہ فطرت میں واحد ذمہ دار شخصیت ہے جس سے موت کے بعد اس کے سعی و عمل کا حساب انفرادی طور پر لیا جاتا ہے اور موت سے پہلے اس نے اپنے سعی و عمل کا نقد اجر اجتماعی طور پر بلا کم وکاست ایک اٹل قانون کے مطابق لینا ہے اور اس پر لازم ہے کہ لے کر رہے۔

تذکرہ کے چھ سو فل سکیپ صفحات پر پھیلی ہوئی قرآنی حکمت کا یہ وہ لب لباب ہے جو المشرقی نے اپنی علمی سوچ، تفکر تفقہ اور غور و خوض سے اخذ کیا۔ مقام حیرت ہے کہ تذکرہ کے طول و عرض میں کہیں بھی قرآن حکیم کو جر ثقیل یا جغرافیہ کی کتاب نہیں کہا گیا اور نہ ہی صاحب تذکرہ نے اس مفہوم میں کوئی ایک سطر لکھی ہے۔ یہ ماسٹر محمد حسین کی اپنی دماغی اختراع یا ذہنی اپروچ تھی جسے اقبال نے بھی آنکھیں بند کر کے صحیح تسلیم کر لیا۔

علم کی تعریف

علامہ مشرقی نے تذکرہ کے مقدمہ کے صفحہ ۸۲ پر عرب تخیل اور اسلامی فلسفے پر بحث کے ضمن میں قرآن حکیم کی آیت ولا تقف ما لیس لک بہ علم ان السمع والبصر والفواد کل اولئک کان عنہ مسئولا (۱۷-۳۶) "اور جس بات کا تم کو علم نہیں اس کے پیچھے نہ ہو لیا کرو۔ کیونکہ کان، آنکھ اور قلب سلیم سب سے اس امر کی

پرسش ہوگی کہ انکل پچو بات کا تتبع کیوں کیا گیا۔" پیش کی ہے جس میں انہوں نے قرآن حکیم کی "علم" کی تعریف کہ علم وہی ہے جو سمع و بصر اور قلب سلیم سے براہ راست حاصل ہو۔ پھر تذکرہ کے اسی صفحہ کے تحت المتن (حاشیہ) میں تفصیل سے بحث کرتے ہوئے لکھا!

"علم کی یہ حیرت انگیز تعریف اسقدر جامع اور مانع ہے کہ آج مغرب کی تمام حکمت اور عمل کی بنیاد، بلکہ ان کی تمام تلاش و تفحص کا معیار تصدیق یہی سمع و بصر اور قلب سلیم کی شہادت ہے۔ علم کے عظیم الشان قصر کی تعمیر ان کے ہاتھوں آج انہی ارکان ثلاثہ کے زور پر ہو رہی ہے۔ ان کی نظروں میں کوئی بات واقع الامر نہیں، کوئی شئے حقیقت کہلائے جانے کی اہل نہیں جب تک کان نے بار بار اس کے واقع الامر ہونے کی گواہی نہ دی ہو، آنکھ نے ہر مرتبہ اس کو اچھی طرح دیکھ بھال نہ لیا ہو، دل نے بلاعذر اس کی معقولیت کو نہ مانا ہو۔ یہی ان کے نزدیک علم ہے اور جو اس کے سوا ہے ظن ہے اور اس لئے قابل التفات نہیں۔ اس سچے معیار کو پیش نماد بنا کر انہوں نے ان تمام انسانی کشفات کو "علم" کے نام سے موسوم کیا ہے جن کی بنیاد براہ راست تجربے اور مشاہدے پر ہے۔ علم طبیعات علم ہیئت، علم جر ثقیل، علم حرارت، علم تشریح الابدان، علم جغرافیہ، علم طب وغیرہ وغیرہ ان کے نزدیک صحیح معنوں میں علم ہیں۔ فلسفہ قانون، ادب، صرف و نحو، بلاغت، عروض وغیرہ وغیرہ جنکی اساس قیاس، رائے یا وضعی اجماع پر ہے علم کی بلند مقام تک نہیں پہنچ سکتے، بیکن (المتوفی ۱۰۳۵ھ ۱۶۲۶ء) کے مشہور اور عالم انگیز مسئلہ استقراء (۱۰۲۹ھ ۱۶۲۰ء) کی تمام بنیاد علم کی اسی جامع اور مانع تعریف پر ہے اور یہی وہ مسئلہ تھا جس نے مغرب کو ازمنہ مظلمہ کی جہالت سے نکال کر ایک اقل قلیل مدت میں "نشاۃ ثانیہ" کی حیرت انگیز علمی ترقیوں کی طرف رہنمائی کی تھی!" (تذکرہ مقدمہ صفحہ ۸۳)

تکوین کائنات اور علم جر ثقیل:۔

المشرقی نے تکوین کائنات اور وحدت کائنات کے مسئلہ پر نظریہ ارتقاء کی روشنی

میں بحث کرتے ہوئے تذکرہ کے مقدمہ کے صفحہ ۲۲ کے تحت المتن میں سورہ انبیاء (۲۱) کی آیات ۳۰-۳۳ پیش کیں جن کا ترجمہ تذکرہ سے یہاں لکھ دیا جاتا ہے۔

"اے پیغمبرؐ! کیا منکرین خدا نے اس حقیقت پر نظر نہیں کی کہ آسمان کے لاانتہا کرے (السمٰوٰت) اور زمین پیدائش کے ابتدائی مراحل میں، ملے ہوئے تھے پھر ہم نے ان دونوں کو آپس میں الگ کر دیا، اور سب زندہ اشیاء کا قوام پانی بنا دیا۔ تو کیا یہ لوگ اس حیرت انگیز انکشاف کے بعد بھی خدا کی توحید پر ایمان نہ لائیں گے؟! اور ہم ہی نے زمین میں عظیم الشان پہاڑ اپنے اپنے موقع پر ڈال دیئے، کہ زمین (اپنی حرکت میں) ان کو لے کر ایک طرف کو نہ جھک جائے اور اس کا مرکز ثقل قائم رہ سکے، اور کشادہ راہیں اس میں بنا دیں کہ لوگ راہ پا سکیں اور آسمان (السماء) کو ایک مضبوط اور ناقابل شکست "چھت" بنا دیا، اس کے ہر حصے کو انسان یا دیگر مخلوق کے دست تصرف سے ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیا خدا کی اس حیرت انگیز مضبوط کاری اور حفاظت پسندی کو دیکھنے کے باوجود لوگ اس کے حفظ و امان دینے والے احکام سے گریز کرتے ہیں اور لوگو! وہ خدا ہی تو ہے جس نے رات اور دن کی عظیم الشان حقیقتوں کو نیست سے ہست کیا اور شمس و قمر کے عظیم الشان کروں کو پیدا کیا۔ یہ سب کرے یہ شمس و قمر یہ سمٰوات اور زمین، یہ لیل و نہار اپنے اپنے مداروں میں پڑے تیر رہے ہیں۔" ان چار عظیم المطالب قرآنی آیات کی تشریح کرتے ہوئے المشرقی تذکرہ کے اس صفحہ پر لکھتے ہیں۔ "کیا جبال زمین کے قیام کی یہ حیرت انگیز تشریح موجودہ علم جر ثقیل کے اس اصولی ضابطے، اور علم التجمیعات (انٹیگرل کلکولس) کے اس اساسی قاعدے کے بالمقابل حرف بحرف پوری نہیں اترتی، جس کے رو سے کسی دوار جسم کے مرکز ثقل کا محور پر واقع ہونا، اس کی یکساں اور ہموار حرکت کے لئے لابدی ہے، اور جس کے بدون اس محور کا، اس جسم کا، بلکہ جسم کے اجزا کا ہر دم لڑکھڑاتے رہنا اٹل ہے۔ کیا "ان تمیدبھم" کے بعد "کل فی فلک یسبحون" کا دعویٰ خود اس امر کی روشن دلیل نہیں ہے کہ بطلیموسی اور ارسطا طالیسی نظام ایک لغو نظام تھا، جس کی تقلید ساکنان زمین نے صدیوں تک غلط اصول پر کی، اور جب ہر جرم فلکی کا ایک علیحدہ مدار (فلک) ہے تو لامحالہ زمین بھی اپنے

مدار پر چل رہی ہے اور یکساں حرکت سے چل رہی ہے! نہیں کیا خود کاپرنیکی نظام کے اندر، جس کے اہم حصوں کو آج یورپ نے پایہ ثبوت تک پہنچا کر تلاش حقیقت میں کامیاب ہونے کا سہرہ ہمہ تن اپنے سر پر رکھا ہے، اور جس کی بعض شقوں پر نادیدہ ایمان بلا حیل و حجت قریباً تین سو برس تک قائم رہا، کیا خود اس نظام کے اندر سورج کے ساکن فرض کر لینے کی وہ شرمناک غلطی کئی قرنوں تک نہایت التزام کے ساتھ جاری نہ رہی جس کو ہرشل المتوفی ۱۲۳۷ھ ۱۸۲۲ء) نے مدۃ العمر مشاہدے کے بعد ابھی پورے ڈیڑھ سو برس نہیں گزرے۔ ۱۱۹۷ھ ۱۷۸۳ء میں ان معرکتہ الارا الفاظ میں درست کیا!

"سورج مع اپنے تمام نظام شمسی کے خود ایک دور دراز مرکز کے گرد چل رہا ہے اور موجودہ اوقات میں اس کی سمت حرکت ایک مجمع النجوم کی طرف ہے جس کا نام الجاثی علی رکبتیہ" (ہرکولیس) ہے۔"

"آہ! کیا پھر اس عظیم الشان حقیقت اور محیر العقول صداقت کو محمد ﷺ کے لائے ہوئے قرآن عظیم نے کامل بارہ سو برس پیشتر "کل فی فلک یسبحون" کے عالم آرا الفاظ کے علاوہ (جس سے لامحالہ سورج کا کسی مرکز کے گرد چلنا ظاہر ہے) انہی شاندار اور شرمندہ کن الفاظ میں بصراحت تمام بیان نہیں کیا جن کو دہرانے پر قرآن سے بے خبر اور محمد ﷺ سے ناآشنا ہرشل قطعاً مجبور ہو گیا تھا!"

"اور آفتاب ہے کہ اپنے کسی ایک جائے قرار کی طرف برابر چلا جا رہا ہے! لوگو! اس قاہر القوی اور غالب العلم خدا کا باندھا ہوا اندازہ اس عظیم الشان شعلہ نور کے حق میں یہی ہے (جس سے ادھر ادھر ہٹنے کی اس بے چارے میں کچھ طاقت نہیں۔) اور چاند کی حرکت کی ہم ہی نے منزلیں مقرر کر دی ہیں تو وہ اس انداز سے کہ اس کا روشن حصہ گھٹتے گھٹتے ایسا ٹیڑھا اور پتلا رہ جاتا ہے جیسے کھجور کی پرانی سوکھی ہوئی ٹہنی۔ نہ تو سورج بے چارے میں طاقت ہے کہ اپنے سے کمزور چاند کو لپک کر پکڑ لے، نہ رات ہی سے بن پڑتا ہے کہ دن سے پہل کرے اور یہ اجسام سب کے سب (بشمولیت زمین جس کا ذکر ۳۶:۳۶ میں ہوا) اپنے اپنے 'فلک'، اور آسمان، میں پڑے تیر رہے ہیں!"

"ہاں! لیکن اس عزیز و علیم ہستی کے بالمقابل، جس کے دست قدرت میں سورج کا زمین سے تیرہ لاکھ گنا بڑا کرہ محض بے چارہ ہے، غریب ہرشل کی کیا بساط تھی کہ علم میں مسابقت کرتا!" (تذکرہ مقدمہ صفحہ ۲۳-۲۲)

علم جر ثقیل پر تذکرہ کے مقدمہ کے صفحات ۲۳-۲۲ اور ۸۰ پر المشرقی نے جو علمی بحث کی ہے اسے من و عن یہاں پیش کر دیا گیا ہے جس میں قرآن حکیم کی کل ۶۲۴۷ آیات میں سے سات آٹھ آیتیں بطور حوالہ انہوں نے پیش کی ہیں ان دونوں حوالوں کی عبارتوں کو بار بار پڑھیے کہ علامہ مشرقی نے کہا قرآن کو جر ثقیل یا جغرافیہ کی کتاب کہا ہے؟ یا "قرآن سراسر جر ثقیل و جغرافیہ وغیرہ کی تلقین کرتا ہے" لکھا ہے؟ بلکہ انہوں نے تو حکمائے مغرب کے "اصلیت" کے موٹے موٹے اصول بیان کرنے اور "صلاح" کی تعریف وضع کرنے میں فاش غلطیوں کی نشاندہی کرتے ہوئے بتایا کہ:-

"حکمائے مغرب نے "صلاح" کی تعریف وضع کرنے میں بے اندازہ واماندگیاں بلکہ فاش غلطیاں کی ہیں، انہوں نے احوال تاریخ کو یا اپنے سے ادنیٰ مخلوق کے فطری عوائد کو ہی علم الدین کا صحیح ماخذ قرار دیکر انسانی اخلاق کی تعمیر ان احوال وعوائد پر کی، اور محکمہ قضاء قدر کے فیصلہ جات سمجھنے میں ایک صاحب ارادہ خدا کی مشیت اور صاحب ارادہ انسان کے اہم ترین عناصر کو بے دخل کر دیا، وہ اس ناروا تخیل میں لگے رہے کہ مدوجزر اقوام کے قانون کی تدوین بھی لامحالہ اسی انداز پر ہے جس پر جر ثقیل یا علم حساب کے قواعد مرتب کر دیئے جاتے ہیں، اور جس طرح پر خواص الاشیاء کے معلوم کر لینے سے مرکبات کے خواص کی طرف رہنمائی ہوتی ہے اسی طرح افراد کے مطالعے سے اقوام اور عام حیوانی مخلوق کے مطالعے سے خاص انسانی مخلوق کی طبعیت اور فطری میلان کا کامل پتہ لگ سکتا ہے۔ یہ طرز خیال بجائے خود آج اس قدر کم نفع مند ثابت ہوا ہے کہ جہاں صلاحیت کا صحیح تخیل مغرب کو مادی ترقی کے مدارج اعلیٰ پر چڑھ جانے میں بیش از بیش کامیاب ہوا ہے، وہاں اس کا غلط مفہوم اس کو اخلاقی انحطاط کے درک اسفل کی طرف نہایت تیزی سے گھسیٹ رہا ہے۔ وہ آج سب کے سب اپنی مادیت پر خوش ہونے کی بجائے اپنے فقدان روحانیت کا ماتم کر رہے ہیں۔ سیاست کا صحیح

علم اگر کہیں ان کو ایک گز ابھار رہا ہے تو روحانیت سے کم علمی دوسری جگہ ان کو دو گز دبا دیتی ہے۔ (تذکرہ دیباچہ صفحہ ۲۷-۲۶) ان تمام عبارتوں کے ماسوا جو صلاح اور علم کی تعریف اور تکوین کائنات کے ضمن میں انہوں نے تذکرہ کے متن و حاشیہ میں لکھی ہیں پوری کتاب میں اور کہیں بھی علم جر ثقیل وغیرہ کی بحث نظر نہیں آتی۔ ماسٹر محمد حسین کے غلط اخذ کردہ نتائج پر اقبال تذکرہ کو پڑھے بغیر اس خط میں جو عمارت کھڑی کر رہے ہیں وہ کس حد تک ٹھوس، پائیدار اور خوبصورت ہو سکتی ہے؟ جبکہ اقبال خود تسلیم کرتے ہیں کہ قرآن تجربے اور مشاہدے کی طرف بار بار اپیل کرتا ہے (حالانکہ قرآن نے کہیں بھی بنی نوع انسان یا انسان کے کسی گروہ سے اپیل نہیں کی۔ قرآن اٹل الفاظ میں حکم دیتا ہے) اور ظاہر ہے کہ تجربے اور مشاہدہ کے نتائج سمع و بصر اور فواد (عقل سلیم) کے ذریعے ہی سے معلوم کئے جا سکتے ہیں۔ دنیا کی کسی لیبارٹری میں وجدان کے ذریعہ کوئی تجربہ نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی "غیر مرئی حقائق" کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔

انسان کے لئے سچا لائحہ عمل اسلام ہے:۔

علامہ مشرقی اسلام کو دنیا کا سب سے زیادہ منطقی طور پر صحیح مذہب سمجھتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں۔

> اسلام دنیا کا سب سے زیادہ منطقی طور پر صحیح مذہب اور بنی نوع انسان کے لئے سچا لائحہ عمل ہے جو انسان کو اس دنیا میں مستقل کام دینے اور خدا کی صحیح معرفت کرانے کے لئے بے گمان الفاظ میں صحیفہ فطرت میں سے خدائی احکام، الٰہی دستور العمل اور قوموں کی زندگی کا سچا لائحہ عمل تلاش کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ ان ترغیبوں میں "ان" (فی الحقیقت) اور "ل" (ضرور) کی دو تاکیدیں قرآن میں ہر جگہ موجود ہیں۔" (حدیث القرآن صفحہ ۲۳-۲۲)

قرآن کے مخاطب کون لوگ ہیں؟

تذکرہ کی پہلی جلد کی اشاعت سے کافی مدت بعد انہوں نے تذکرہ کی بقایا جلدوں کا

شخص "حدیث القرآن" میں پیش کیا۔ یہ کتاب انہوں نے میانوالی جیل میں لکھی۔ اس میں وہ بتاتے ہیں کہ:۔

"قرآن کی مخاطب ہر وہ قوم ہے جو عقل رکھتی ہے (لقوم یعقلون) علم رکھتی ہے (لقوم یعلمون) یقین رکھتی ہے (لقوم یوقنون) فکر رکھتی ہے (لقوم یتفکرون) سننے کی قابلیت رکھتی ہے (لقوم یسمعون) نعمتوں کو صحیح استعمال کرنے کی اہلیت رکھتی ہے۔ (لقوم یشکرون) عبرت حاصل کرنے کی استعداد رکھتی ہے (لقوم یذکرون) ایمان رکھتی ہے (لقوم یومنون) سعی و عمل رکھتی ہے۔ (لقوم یعملون) مستقل مزاج محنتی اور قدردان ہے (لکل صبار شکور) خدا کے قانون سے خوفزدہ ہے (لقوم یتقون) وغیرہ وغیرہ۔ ہاں صرف ان قوموں کے لئے صحیفہ فطرت کے فلاں فلاں مظاہر اور مناظر میں اپنی قسمت درست کرنے، صحیح راہ پر چلنے، فطرت کا علم حاصل کرکے ترقی کے اعلیٰ ترین مدارج پر پہنچنے کے لئے بے شمار احکام (آیات) لاتعداد اشارے (آیات) بیگماں معجزات (آیات) اور راہ عمل موجود ہے!"
(حدیث القرآن صفحہ ۲۳)

انکشاف حقائق کے لئے قرآن حکیم کی بتائی ہوئی مندرجہ بالا خصوصیات کا ہونا کس قدر ضروری ہے اس کا اندازہ کچھ وہی صاحب علم و عمل بندگان خدا کر سکتے ہیں جو رات دن اپنی معمل گاہوں میں بیٹھے ان اہم فرائض کو انجام دے رہے ہیں اور نئی نئی ایجادات واختراعات کرکے اپنی قوم کا سر فخر سے بلند کرنے میں مصروف ہیں۔ لیکن ڈاکٹر اقبال سائنس کے ان انکشافات کو جو اہل مغرب کے انتہائی دروں رسی، باریک بینی، عرق ریزی اور سینہ سوزی سے حاصل کئے اور جن پر انہیں بجاطور پر فخر کرنے کا حق ہے اسے بھی مسلمانوں سے ماخوذ گردانتے ہوئے کہتے ہیں۔

حکمت اشیاء فرنگی زاد نیست
اصل اوجز لذت ایجاد نیست
نیک اگر بینی مسلماں زادہ است
ایں گہر از دست ما افتادہ است

چوں عرب اندر اروپا پر کشاد
علم و حکمت را بنا دیگر نہاد

ورنہ آں صحرا نشیاں کاشتند
حاصلش افرنگیاں برداشتند

ایں پری از شیشہ اسلاف ماست
باز صیدش کن کہ او از قاف ماست

جو گوہر مسلمان کے ہاتھ سے گر کر اہل فرنگ کے پاس پہنچ گیا ہے اس کے ماتم سے کیا حاصل؟ آسمان ٹوٹے ہوئے تاروں کا ماتم کب تلک! جب خود یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ عرب یورپ کے اندر محو پرواز ہوئے تو انہوں نے علم و حکمت کی نئی بنیادیں استوار کیں۔ انہی بنیادوں نے یورپ کو نشاۃ ثانیہ سے ہم کنار کیا جو فصل ان صحرانشینوں نے کاشت کی تھی اس کا پھل اہل فرنگ کھا رہے ہیں۔ اس کے باوجود اقبال کے نزدیک عمل اور فعلی کوشش کا مقصود حکومت و سلطنت کا حصول نہیں بلکہ انکشاف حقائق ہے۔ جب عربوں سے حکومت چلی گئی اور وہ ہسپانیہ کے بہشت زاروں سے نکال دیئے گئے تو انکشاف حقیقت کی منزل تو آنکھوں سے اوجھل ہونی ہی تھی!

المشرقی نے "تذکرہ" میں تمکن فی الارض، وراثت زمین اور غلبہ اسلام کی تعلیم دیتے ہوئے قوم کے سامنے "انتم الاعلون ان کنتم مومنین" اگر تم مومن ہو تو تم ہی سب پر غالب آکر رہو گے" کی قرآنی حکمت، عالم آرا صداقت کے طور پر پیش کی۔ ایک غلام و محکوم قوم جس کے گلے میں غلامی کا طوق پڑا ہو اور وہ کھولو کے بیل کی طرح رات دن اپنے آقاؤں اور حاکموں کے لئے سامان آسائش کی بہم رسانی میں مصروف ہو وہ حقیقت الٰہی کا انکشاف کیونکر ادیکھ کس طرح کر سکتی ہے! جبکہ اقبال کے نزدیک ہر شدید سعی کا نتیجہ مومن کے نزدیک نظام عالم کی حقیقت اصلی کا انکشاف ہے۔ یعنی یہ انکشاف کہ نظام عالم کی بنا روحانیت پر ہے۔

نظام عالم کی بنا کیا ہے!

نظام عالم کی بنا روحانیت پر ہے یا مادیت پر، اس کے لئے بھی مسلسل غور و فکر، پیہم مشاہدے اور لگاتار تجربوں کی ضرورت ہے۔ انسان کو غور و فکر، مشاہدہ و تجربہ میں ہردم مادہ ہی سے واسطہ پڑتا ہے۔ انسان مادی دنیا کا باشندہ ہے۔ اس کی زمین، اس کا نظام شمسی، اس کی کہکشاں اور اس کہکشاں سے ہزاروں گنا بڑی اربوں اور دوسری کہکشائیں سب کی سب مادہ ہی سے بنی ہوئی ہیں، ساری کی ساری کائنات کا خمیر مادہ ہی سے اٹھا ہے۔ انسان کا اپنا گوشت پوست سے بنا ہوا جسم بھی مادہ ہی کا مرہون منت ہے۔ اس کے دیکھنے، سننے اور غور و فکر کے آلات یعنی کان، آنکھیں اور دل و دماغ سب اعضاء کی تعمیر مادہ سے ہوئی ہے، نہیں بلکہ اس کے سب جسمانی چھوٹے بڑے اعضاء کی بقاء، ترقی اور خود انسانی زندگی کا ارتقا ارتفاع و قیام بھی اس کی مادی ضروریات پر ہی منحصر ہے۔ انسان کو اپنی جسمانی توانائی کے حصول و بحالی کے لئے انہی مادی اشیاء کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ اور اب تو انسان نے مادہ اور توانائی کو بھی ایک ہی کل کے دو جز یا ایک ہی اصل کی دو شکلیں قرار دیا ہے۔ مادہ توانائی میں بدل سکتا ہے اور توانائی مادہ میں تبدیل کی جاسکتی ہے۔ الیکٹران کو جو ایٹم (ذرہ) کا دو ہزارواں (۱/۲۰۰۰) حصہ ہے اسے کائنات کی بنیادی اینٹ سمجھا جارہا ہے۔ اس لئے مادہ، توانائی اور دیگر طبعی حقائق کو نظرانداز کر کے مابعد الطبعیات کا تخیلی سہارا لیکر نظام عالم کی بنا کو جاننا انسان کو حقیقت سے دور کردیتا ہے۔ یہی وہ تصوف تھا جس نے مسلمانوں کو طبیعات اور علم حقائق الاشیاء کے نور سے مابعد الطبعیات کے اندھیروں میں دھکیل کر غلامی و محکومی میں گرفتار کرادیا تھا۔

یہ درست ہے کہ مشاہدے اور تجربوں سے ایک گتھی سلجھانے کے بعد کئی اور دوسرے مسائل اور الجھنیں انسان کے سامنے آکھڑی ہوتی ہیں۔ یہی تو فطرت کی وہ چیستیاں اور معمہ ہے جسے انسان نے حل کرنا ہے۔ کائنات کی تسخیر کا مطلب یہ تو نہیں کہ آنکھیں بند کیں اور زہرہ و مشتری کی خاک چھان لی۔ پیر رومی کے ساتھ سات آسمانوں کی سیر کرلی۔ چاند کی خاک پر انسان کی چہل قدمی ہزاروں سائنسدانوں کی کاوشوں کا نتیجہ ہی تو تھی!

چاند پر پہلے انسان کے اترنے کے وقت اقبال اگر زندہ ہوتے تو ان کا ردعمل جانے کیا ہوتا؟ لیکن پہلا مصنوعی سیارہ (سپٹنک) جو روس نے 4-اکتوبر 1957ء کو فضائے آسمانی میں کامیاب طور پر چھوڑ کر دنیا کی انسانی مخلوق کو حیرت زدہ کر دیا تھا۔ اس کی کامیاب پرواز پر المشرقی کا ردعمل بڑا خوشگوار اور عجیب تھا۔ انہوں نے کہا! "فضائے آسمانی میں منہ سے منکر خدا روس کا مصنوعی سیاروں کے بھیجنے کے حیرت انگیز عمل پر قولی عقیدوں کی مذہبی دنیا میں اس کے متعلق عقیدہ کش ہیجان پیدا ہو گیا ہے لیکن صحیفہ فطرت کی تسخیر کی کامیاب کوشش روس کی خدا دانی بلکہ خدا دوستی کا قطعی ثبوت ہے"
(تکملہ جلد ا صفحہ ۳۲)

متلاشیان فطرت کا دستور

ہر سائنسدان اور ہر محقق و مفتش کا حقیقت کی تلاش و جستجو میں انہماک حیرت، انکسار عاجزی اور خاکساری کا مرہون منت ہوتا ہے اس کی تلاش حقیقت میں کسی قسم کی "خودی" اور "بے خودی" کے اسرار و رموز شامل نہیں ہوتے بلکہ وہ کیا، کیوں اور کیسے کے لاینحل مسائل کے گچھوں اور الجھی ہوئی گتھیوں کو پیہم غور و فکر اور جانکاہ مسلسل سعی و عمل سے کھولتا جاتا ہے اور حل کرتا رہتا ہے۔ نیوٹن جیسا عظیم سائنسدان اپنے آپ کو ایک بچہ تصور کرتا ہے جو ساحل پر گھونگوں اور سیپوں سے کھیل رہا ہو جبکہ اس کے سامنے علم کا بحر ناپیدا کنار ٹھاٹھیں مار رہا ہو۔ اور ہم خرد دشمنی اور اسلاف پرستی کے زعم میں اس گمان میں مبتلا ہوں کہ "ایں پری از شیشہ اسلاف ماست!

علامہ مشرقی کہتے ہیں:-

"متلاشیان فطرت کا دستور بھی اکثر اسی انداز پر رہا ہے، علم حقائق الاشیاء کے ماہر سمع و بصر اور قلب سلیم کی شہادت پر ایک نظریہ مرتب کرتے ہیں اس کو اساس قرار دے کر مشاہدات طبیعت کو توجیہیں اخذ کرتے ہیں، توجیہات کی مجموعی شہادت کو اس نظریے کی صحت کا مزید ثبوت یقین کرتے ہیں، سب کے سب اس پر متفق علیہ ہو کر اس کو علم کے معیار

پر آزماتے ہیں۔ پھر جوں جوں وہ نظریہ علم کے صحیح معیار پر پورا اترتا ہے۔ جوں جوں اس کے ذریعے سے نئی مشکلات یا مظاہر کا حل ہوتا ہے وہ بذات خود واقع الامر اور حقیقت بنتا جاتا ہے والا سب کے سب اس کو مسترد کر کے کسی دوسری غالب حقیقت کی طرف رجوع ہو جاتے ہیں اور اس پر اپنی تعمیر شروع کر دیتے ہیں۔ علم کی حیرت انگیز ترقی اور حقائق الاشیاء کا محیرالعقول انکشاف دنیا میں اسی باہمی تحمل اور تسامح، اسی متفقہ ردو قبول سے ہوا ہے۔ نہیں، بلکہ ایک وقت معین تک کسی غلط نظریے پر بالاتفاق قائم رہنے کا نتیجہ بھی اکثراوقات یہی ہوا ہے کہ اس متفقہ طرز عمل کے باعث نئے راہ عمل کھل گئے ہیں، غلط راہوں پر ٹھوکریں لگنے سے صحیح راہیں ایسی کشادہ اور حقیقت نما مل گئی ہیں جن کا اس سے پہلے سان گمان تک نہ تھا۔ الغرض علم حقائق الاشیاء کی ترقی میں حکماء کا باہمی اتفاق عمل اور ان کا سلامت رو ہونا ہی نمایاں طور پر معاون رہا ہے، انہوں نے ضد اور ہٹ دھرمی کی بنا پر اکثر کوئی فرقہ بندی نہیں کی، جہاں جہاں اختلاف رونما ہوا ہے، جزوی اور عارضی طور پر ہوا ہے، کم سے کم مدت اور بحث مباحثے کے بعد حکمائے فطرت خودبخود ایک مشترک حقیقت پر متفق ہو گئے ہیں۔ علم نے ان کے وقتی اور مقامی اختلافات کو جلد سے جلد مٹا دیا ہے، اور وہ پھر باہم گر مصافحہ کر کے طبیعت کے اس بحر بیکراں کی تلاش میں مصروف ہو گئے ہیں جو فی الحقیقت ان کا منتہائے نظر ہے۔" (تذکرہ۔ دیباچہ صفحہ ۵۲-۵۱)

وجدان اور عقل

۲۰ اگست کے خط میں علامہ محمد اقبال نے مومن کی ہر سعی شدید کا نتیجہ یہ اخذ کیا ہے کہ "مومن کے اس عملی اور فعلی کوشش کا مقصود حکومت و سلطنت کا حصول نہیں (یہ ضمنی نتیجہ ہے کہ یورپ نے اسی کو مقصود اصلی تصور کر لیا ہے) بلکہ انکشاف

حقائق۔" اور جب وہ خود اپنی اس ذہنی کشمکش اور مسلمانوں کی زبوں حالی پر اندرونی کرب محسوس کرتے ہوئے مرید ہندی، بنگر پیر رومی سے یہ سوال کرتے ہیں۔

کاروبار خسروی یا راہبی؟ کیا ہے آخر غایت دین نبیؐ؟

تو انہیں پیر رومی کی بارگاہ سے جواب ملتا ہے۔

مصلحت در دین ما جنگ و شکوہ
مصلحت در دین عیسیٰ غار و کوہ

دوسری جگہ کہتے ہیں:۔

زمانہ عقل کو سمجھا ہوا ہے مشعل راہ
کسے خبر کہ جنوں بھی ہے صاحب ادراک
جہاں تمام ہے میراث مرد مومن کی
میرے کلام پہ حجت ہے نکتہ لولاک!

اور یہ بھی انہی کا فرمان ہے

عالم ہے فقط مومن جانباز کی میراث
مومن نہیں جو صاحب لولاک نہیں

وراثت زمین، تمکن فی الارض، حکومت، شوکت غلبہ ان سب کو مومن جانباز کی میراث سمجھنے کے باوجود جب وہ تذکرہ کی آفاقی تعلیم پر بلواسطہ تنقید کی چھری چلاتے ہیں تو مومن کے عمل اور فعلی کوشش کا مقصود حکومت و سلطنت کا حصول نہیں گردانتے بلکہ مومن کی کوشش کا مقصد اس انکشاف کو جانتے ہیں کہ نظام عالم کی بنا روحانیت پر ہے۔ روحانیت کی کوئی جامع تعریف اقبال کے کسی مجموعہ کلام میں نہیں ملتی "لقائے الٰہی" سے ان کی مراد اگر لقائے رب، کی آخری منزل ہے تو یہ ایک الگ اور بذات خود ایک بہت ہی وسیع مضمون ہے جس پر المشرقی نے اپنی تمام تصانیف میں تفصیل سے گفتگو کی ہے اور جس کا نچوڑ یا لب لباب اس باب کے ابتدائی صفحات میں تین نکات میں بیان کیا گیا ہے۔ جبکہ اقبال یہ بھی نہیں بتاتے کہ حقیقت اصلی کا انکشاف عقل و خرد سے ہوگا یا وجدان کی قوت سے اس کی معرفت ہوگی۔ ہر مرد مومن کو بس کی انفرادی سعی سے اسے

یہ کشف حاصل ہو گا یا امت مسلمہ کی اجتماعی جدوجہد اور "اجتماعی وجدان" سے انکشاف حقیقت ہو گی؟ وجدان عقل کے برعکس ایک باطنی حاسہ ہے جو وجد و حال اور کشف اشراق کا مرکز و محور ہے۔ صوفیاء کے نزدیک یہ ایک پر اسرار قوت ہے اور اس کی کوئی جامع علمی تعریف آج تک نہیں کی جا سکی۔ برگساں کے مطابق جب جبلت خود آگاہ ہو جائے تو وہ وجدان بن جاتی ہے لیکن برگسان کے ناقد کہتے ہیں کہ جبلت کا خود آگاہ ہو جانا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ اس میں عقل کا شمول ہوا ہے اس لئے جبلت اور عقل سے الگ وجدان کا کوئی وجود نہیں اور وجدان کسی صورت بھی عقل سے برتر نہیں ہے۔

ہندو حکماء اور دماغ:۔

علامہ اقبال اسرار و رموز کے دیباچہ میں لکھتے ہیں:۔

"مختصر یہ کہ ہندو حکماء نے مسئلہ وحدت الوجود کے اثبات میں دماغ کو اپنا مخاطب کیا، مگر ایرانی شعراء نے اس مسئلے کی تفسیر میں زیادہ خطرناک طریق اختیار کیا یعنی انہوں نے دل کو اپنا آماجگاہ بنایا اور ان کے حسین و جمیل نکتہ آفرینیوں کا آخر کار یہ نتیجہ ہوا کہ اس مسئلے نے عوام تک پہنچ کر قریباً تمام اسلامی اقوام کو ذوق عمل سے محروم کر دیا"

اسی دیباچہ میں مغربی اقوام کی قوت عمل کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

> "مغربی اقوام اپنی قوت عمل کی وجہ سے تمام اقوام عالم میں ممتاز ہیں اور اسی وجہ سے اسرار زندگی کو سمجھنے کے لئے ان کے ادبیات و تخیلات اہل مشرق کے واسطے بہترین رہ نما ہیں۔"

آگے چل کر انگریزی قوم کی عملی نکتہ رسی کا احساس دنیا کی تمام قوموں پر ثابت کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں۔

حکمائے انگلستان اور "حس واقعات":۔

> "سب سے پہلے جرمنی میں انسانی انا کی انفرادی حقیقت پر زور دیا گیا اور رفتہ رفتہ فلاسفہ مغرب، بالخصوص حکمائے انگلستان کے عمل ذوق کی

بدولت اس خیالی طلسم کے اثر سے آزاد ہو گئے۔ جس طرح رنگ و بو کے لئے مختص حواس ہیں، اسی طرح انسانوں میں ایک اور حاسہ بھی ہے، جس کو "حس واقعات" کہنا چاہئے۔ ہماری زندگی واقعات گردوپیش کے مشاہدہ کرنے اور ان کے صحیح مفہوم کو سمجھ کر عمل پیرا ہونے پر منحصر ہے۔ مگر ہم میں سے کتنے ہیں جو اس قوت سے کام لیتے ہیں، جس کو میں نے "حس واقعات" کی اصطلاح سے تعبیر کیا ہے؟ نظام قدرت کے پراسرار بطن سے واقعات پیدا ہوتے رہے ہیں اور ہوتے رہیں گے، مگر بیکن سے پہلے کون جانتا تھا کہ یہ واقعات حاضرہ، جن کو نظریات کے دلدادہ فلسفی اپنے تخلیل کی بلندی سے بنگاہ حقارت دیکھتے ہیں، اپنے اندر حقائق و معارف کا ایک گنج گرانمایہ پوشیدہ رکھتے ہیں۔ حق یہ ہے کہ انگریزی قوم کی عملی نکتہ رسی کا احسان تمام دنیا کی قوموں پر ہے کہ اس قوم میں "حس واقعات" اور اقوام عالم کی نسبت زیادہ تیز اور ترقی یافتہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی "دماغ بافتہ" فلسفیانہ نظام جو واقعات متعارفہ کی تیز روشنی کا متحمل نہ ہو سکتا ہو، انگلستان کی سرزمین میں آج تک مقبول نہیں ہوا۔ پس حکمائے انگلستان کی تحریریں ادبیات عالم میں ایک خاص پایہ رکھتی ہیں اور اس قابل ہیں کہ مشرقی دل و دماغ ان سے مستفید ہو کر اپنی قدیم فلسفیانہ روایات پر نظر ثانی کریں۔"

اسرار و رموز کے اس دیباچہ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ علامہ اقبال علم، عقل، عمل، مشاہدہ اور "حس واقعات" میں حکمائے انگلستان کی تحریروں کو ادبیات عالم میں خاص مقام دیتے ہوئے مشرقی دل و دماغ کو ہدایت فرماتے ہیں کہ وہ اپنی قدیم فلسفیانہ روایات پر نظر ثانی کریں اور فلسفہ و حکمت کے مسائل کے حل کے لئے "دماغ" کو "دل" پر فوقیت دیں۔

وحی الٰہی کی ضرورت:۔

علامہ مشرقی فلسفیانہ پیچیدگیوں میں پڑے بغیر جبلت اور وجدان کو عقل کے تابع سمجھتے اور عقل کو وحی الٰہی کا محتاج گردانتے تھے وہ لکھتے ہیں۔

"میرا یقین ہے کہ انسان کو وحی کی ضرورت اس کے اسی مفتقر اور محتاج ہونے کے باعث سے ہے، کم بیں اور کوتاہ نظر ہونے کے سبب سے ہے، تنگ افق اور نارسا ہونے کی وجہ سے ہے۔ نہیں، بلکہ علم الابدان کے مبادیات کے بغیر انسانی راہ عمل اور "دین" کے علم جلیل کی ابتداء ہیں ہے ہے! کائنات فطرت کی اس ناپید اکنار فضا میں جہاں جہاں انسان کا بدنی علم پہنچ رہا ہے اس کو بالاخر ماسوا تحیر کے کچھ ہاتھ نہیں لگتا، وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتا ہے مگر آخر کار رہ جاتا ہے، کان لگا لگا کر سنتا ہے مگر سٹ پٹا جاتا ہے، وہ سمجھنے کی سعی مالایطاق کرتا ہے مگر پھر کچھ نہیں سمجھتا کہ وہ خود کیا ہے اور کہاں سے کدھر کو جا رہا ہے؟ ایسے نگار خانہ چین اور تحیر زار عالم میں جہاں اس کو ابھی اسماء اور ابدان سے پوری واقفیت نہیں ہوئی۔، جہاں اس کو زمین سے نزدیک ترین سیارے تک کی مخلوق کا حال معلوم نہیں ہوا، جہاں وہ زمین کی مخلوق کا صحیح اندازہ کرنے میں حاوی ہونے کا ادعا نہیں کر سکتا، وہاں اس کا انسانی امتوں کے بقا و فنا کی خفیہ مسل پر حاوی ہو جانا ازبس متعذر ہے! اقوام عالم کے بارے میں وہ سب "تدبیر امر" جو محکمہ قضا و قدر اکثر اوقات ہزاروں برس میں کرتا ہے، جس کا سب بست و کشاد عاجز اور ہیچ میرز انسان کے دست نارسا سے حتماً بالاتر ہے۔، جس کے دریائے حلم و ابہت میں انسان یا اس کے رساترین ذہن کی ہستی ایک تنکے سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی، جس کے صحرائے بے پایاں کی ہول افزا دوریوں میں اس کی بڑی سے بڑی اڑنت پرواز مگس سے زیادہ بلند تر نہیں ہو سکتی، ظاہری اور باطنی حواس اور یہ اقل قلیل علم ازبس عاجز ہیں، اس کے لئے کوئی یقینی استقصا

بے سود ہے، استقراء عبث ہے، استنباط محال ہے۔ انسان اس دنیا کے اندر اپنی بہتری کے لئے سب کچھ کر سکتا ہے، اپنے استعمال کے لئے ہر شے مسخر کر سکتا ہے، مواليد عناصر کو اپنا مطیع بنا سکتا ہے، آب و آتش پر، بر و بحر پر، بالا و پست پر قابض ہو سکتا ہے، اپنے حواس ظاہری کو اشیائے فطرت کی مدد سے بے حد طاقتور اور دور رس کر سکتا ہے، لیکن اپنی موت و حیات کے سوال کو اس تھوڑے سے علم کی مدد سے آپ حل نہیں کر سکتا! اس کے مکمل قانون کا علم لامحالہ اس ذرہ نواز اور غریب پرور خدا کی محبت کبریٰ ہی ہو سکتا ہے جس نے اس زمین و آسمان کو پیدا کیا، اس سے کم تر ذات کی طرف سے اس کا ادعا ہونا محال ہے! جس قوم کو یہ نعمت غیر مترقبہ حاصل ہو گئی ہے اور جو قوم اس قانون کو دنیا کی بڑی سے بڑی نعمت فی الحقیقت سمجھ کر اس پر صحیح معنوں میں عمل پیرا ہے وہی صالح ہے، وہی زور آور اور ناقابل ضرر ہے، وہی دائم اور قائم ہے، اسی پر زمین و آسمان کے دروازے بلاشبہ کھل چکے ہیں اور جب تک اس صحیح عمل سے یک سرمو تفاوت اور تجاوز نہیں ہوتا اس دنیا میں بے خوف و خطر ہو کر رہنا اسی کا حصہ ہے!" (تذکرہ دیباچہ صفحہ ۱۴-۱۳)

علم و عقل، ہوش و نیوش، دانش و بینش، خرد و آگہی کو المشرقی وحی الٰہی کا محتاج سمجھتے ہیں۔ تذکرہ کے ان ابتدائی صفحات کا مطالعہ تو علامہ اقبال نے ضرور کیا ہوگا جیسا کہ وہ اپنے 5۔ اگست کے خط میں تسلیم کرتے ہیں کہ "تذکرہ" کے چند صفحات میں نے دیکھے ہیں اور وہ بھی غالباً ابتدائی تھے اس سے زیادہ میں دیکھ نہیں سکا۔"

چراغ سے چراغ جلتا چلا آ رہا ہے!

انسان کی کئی ہزار سالہ تاریخ شاہد ہے کہ علم و حکمت کے چراغوں کو ہر قوم نے

اپنے پسینہ و خون سے روشن رکھا اور ہزاروں سال سے دیئے سے دیا اور چراغ سے چراغ جلتا چلا آ رہا ہے۔ علم کی جو مشعل ایشیاء میں روشن ہوئی تھی اس کو مسلمانوں نے بھی اپنے ہزار سالہ دور عروج و اقتدار میں اپنے خون کے تیل سے روشن رکھا اور جب وہ جمود و تقلید، بے عملی اور آبا پرستی کے امراض و جنون کا شکار ہو گئے تو یہی چراغ یورپ میں چاند اور سورج بن کر چمکنے لگا اور پوری آب و تاب سے اس وقت بھی چمک رہا ہے۔

علامہ مشرقی اس حقیقت سے نہ تو چشم پوشی کرتے ہیں اور نہ ہی نوحہ گری اور مرثیہ گوئی کرتے نظر آتے ہیں بلکہ وہ مسلم امہ کو علم کی طرف بلاتے ہیں، سائنسی تحقیق، مشاہدہ اور تجربہ کی طرف اسے راغب کرتے ہیں، وہ موضوع کو چھیڑے بغیر معروضی حقیقتوں کے ادراک کی طرف دعوت دیتے ہیں اور منقولات پر معقولات کو ترجیح دیتے ہوئے امت کو بھولا ہوا سبق یاد دلاتے ہیں کہ اگر وہ پھر غالب آنا چاہتی ہے، "اعلون" بننا چاہتی ہے، تو اسے پست ہمتی، جمود، تقلید محض اور اسلاف پرستی کا شیوہ ترک کر کے علم و عمل کی راہ اپنانا ہوگی۔ المشرقی کے نزدیک یہ دنیا دارالمحن ہے۔ اس امتحان گاہ سعی و عمل میں قوموں کے اعمال دیکھے جاتے ہیں۔ اس میں جو شئے پائیدار ہے سعی و عمل ہے۔ دن رات محنت اور تکلیف برداری ہے اور کسی بے عمل اور دوں ہمت قوم کا گزارہ اس دنیا میں ممکن نہیں ہے۔ وراثت زمین، تمکن فی الارض اور غلبہ ہر پیغمبر، ہر نبی اور ہر رسول کا مطمح نظر رہا اور اسی مقصد کے لئے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی بطور آخری نبیؐ کے بعثت ہوئی، قرآن حکیم میں تین مختلف موقعوں پر حضور ﷺ کی بعثت کی وجہ صرف اور صرف یہی بتائی گئی ہے کہ آپؐ کا دین تمام ادیان عالم پر چھا جائے ان سب مذاہب کو اب اسلام کے اندر سمیٹ لیں اور سب پر غالب آجائیں۔ ھو الذی ارسل رسولہ بالھدی و دین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ ولو کرہ المشرکون ○ (۳۳-۹) (وہ خدا کی مقتدر ذات ہی ہے جس نے اپنے رسول ﷺ کو ہدایت اور دین حق دیکر بھیجا تاکہ اس کو بالاخر دنیا کے تمام مذاہب پر غالب کردے خواہ مشرکوں کو یہ بات کیسی ہی ناگوار لگے۔)

علامہ مشرقی کہتے ہیں:-

"الغرض وراثت زمین اور تمکن فی الارض کا اہم نصب العین، نشاء آفرینش سے اسلاف انبیاء" کے پیش نظر بلا شراکت غیرے رہا، وہ تمام عمر اسی بات کے درپے رہے کہ اپنی امتوں کو اس لازوال قانون، اس اٹل آئین عمل، اس امر رب العالمین، اس العلم سے آگاہ کر کے عمل پیرا کردیں جس کا نتیجہ اجتماعی بقا ہے۔ دوام فی الارض ہے، بادشاہت اور غلبہ ہے۔ یہی ان کالایا ہوا دین تھا اور افراد امت کا اسی طرز عمل کو تسلیم کرکے اس پر عمل پیرا ہو جانا انبیاء کے مذہب کو ماننے کے مترادف تھا، یہی ان پر ایمان لانے کے معنی تھے۔ یہی ایمان کا لازمہ بلکہ بذات خود ایمان تھا۔" (تذکرہ دیباچہ صفحہ ۰۷)

انسان کی خدا کے نزدیک حیثیت:-

خدا کے نزدیک انسان کی حیثیت کیا ہے اور اس سے حقیقت کبریٰ کیا چاہتی ہے اس کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ مشرقی لکھتے ہیں!

"میں لاشریک خدا ہوں؛ کسی دوسرے خدا کا اس زمین و آسمان کے اندر ہونا مجھے ایک آنکھ نہیں بھاتا، اگر اس کائنات کے اندر میرے سوا کوئی اور خدا ہوتا تو یہ زمین و آسمان کبھی کے بگڑ گئے ہوتے (لو کان فیھما الھۃ الا اللہ لفسدتا (انبیاء۲۱) میں خود اپنی فوجوں سمیت اس پر چڑھائی کردیتا اور اس کو بچھاڑ کر رہتا، وما کان معہ من الہ اذالذھب کل الہ بما خلق ولعلا بعضھم علی بعض (المومنون ۲۳) تم بھی اسی طرح اس میری بتائی ہوئی زمین پر لاشریک رہو، کسی کو اپنے مقابلے میں آنے نہ دو، وہ غالب بنکر رہو کہ زمین پر فساد کی کوئی صورت باقی نہ رہے! یاد رکھو کہ میں خدا ہوں لیکن تم مظہر خدا ہو، اوصاف الٰہی کا مجمہ صغریٰ ہو، میری طرح سمیع و بصیر ہو،

فجعلنه سميعا بصيرا۝ (۲/۷۶)' قلب سلیم رکھتے ہو' صاحب دست قدرت ہو' مالک ارادہ ہو' اولی الایدی والابصار۝ (ص ۳۸) بن سکتے ہو' میں نے تمہاری جبلت کے اندر اپنی لازوال اوصاف کا ایک جزو صغیر ڈال رکھا ہے' اپنی روح تم میں پھونک دی ہے: نفخت فيه من روحی (ص ۳۰۔ حجر ۱۵)! یہ اس لئے کہ میں تم سے وہی چاہتا ہوں جو میں خود ہوں' وہی کہتا ہوں جو کر رہا ہوں۔ میں خود قوی اور عزیز ہوں، تمہاری بھی قوت اور عزت چاہتا ہوں۔ جبار اور قہار ہوں تم سے بھی جبر اور قہر چاہتا ہوں۔ رحیم و رحمٰن ہوں تم سے بھی مسامحت اور رواداری کا متمنی ہوں۔ كل يوم هو في شان (رحمٰن ۵۵) کا مصداق ہوں تم سے بھی انتہائی سعی و عمل چاہتا ہوں' خلاق عظیم ہوں تم سے بھی بڑی بڑی ایجادات اور اختراعات کا متوقع ہوں' تم اس زمین پر میرے قائم مقام ہو.......... تمہیں اس لئے ممتاز کیا گیا ہے کہ تم میں علم ہے' علم اسماء اور علم حقائق الاشیاء کی کامل استعداد رکھ دی گئی ہے۔" (تذکرہ دیباچہ صفحہ ۸۰-۷۹)

معروضی حقائق اور خرد و دل کی کشمکش!

علامہ مشرقی معروضی حقائق سے پنجہ لڑانے کی تعلیم قوم کو دیتے رہے تخلقوا باخلاق الله کا بھولا ہوا سبق یاد دلاتے رہے وہ من کی دنیا میں ڈوب کر سراغ پانے یا زندگی کے دیگر حقائق معلوم کرنے کو پادر ہوا بات سمجھتے رہے۔ اس شاعرانہ تعلی اور خیالی گھوڑے دوڑانے سے کسی منزل تک پہنچنے کو وہ خارج از امکان سمجھتے تھے۔ وہ علم اور عمل کے انسان تھے، علم و عمل پر یقین رکھتے تھے اور علم و عمل ہی کو منزل تک پہنچنے کا صراط مستقیم گردانتے تھے، جبکہ اقبال خرد و دل کی چپقلش میں ہی کھوئے رہتے اور اپنی عمر کے آخری دور کے مجموعہ کلام بال جبریل میں اس کا اعتراف کرتے ہوئے کہا:۔

خرد واقف نہیں نیک و بد سے
بڑھی جاتی ہے ظالم اپنی حد سے
خدا جانے مجھے کیا ہوگیا ہے
خرد بیزار دل سے دل خرد سے

اسرار و رموز میں قوم کو تدبیر سے انفس و آفاق کا سبق دیتے ہوئے 1915ء میں فرماتے ہیں!

جستجو را محکم از تدبیر کن انفس و آفاق را تسخیر کن
چشم خود بکشا و در اشیا نگر نشہ زیر پردہ صہبا نگر
تانصیب از حکمت اشیا برد ناتواں باج از توانایاں خورد
توکہ مقصود خطاب انظری پس چرا ایں راہ چو کوراں بری

علم اسما اعتبار آدم است
حکمت اشیاء حصار آدم است

علم حقائق الاشیاء اعتبار وحصار آدم ہے اس علم و حکمت کی بدولت کمزور اتنا طاقتور ہو جاتا ہے کہ وہ زور آوروں سے باج و خراج لینا شروع کر دیتا ہے۔ کھلی آنکھوں سے حقیقت اشیاء کو جاننے اور تلاش جستجو کو تدبیر سے مضبوط و محکم کرنے کا سبق دیتے دیتے اقبال عمل و دل کی آویزش میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ انجام خرد بے حضوری، اور دل ہے کہ ہر لحظہ الجھتا ہے خرد سے، کے اضطراب میں پرندوں، چرندوں اور درندوں کی طرح بے روشنی دانش و فرہنگ جینے کی اہمیت جتلاتے ہوئے فرماتے ہیں ۔

چیتے کا جگر چاہیے شاہیں کا تجسس
جی سکتے ہیں بے روشنی دانش و فرہنگ

☆————————————☆

پانچواں باب

اسرار و رموز
اور تذکرہ

اقبال کا سنگین الزام

ماسٹر محمد حسین کا 10 اکتوبر 1924ء کے خط میں حضرت علامہ لکھتے ہیں۔
"آج ہی صبح مجھے کسی نے کہا کہ مصنف (مشرقی) نے تمام اچھی باتیں "اسرار و رموز" سے لیکر نثر میں لکھ دی ہیں اور تمام بری باتیں اپنی طرف سے اضافہ کردی ہیں!"

دنیائے علم و ادب میں یہ نہ صرف ایک سنگین الزام ہے بلکہ اپنی نوعیت میں ایک انوکھا الزام بھی ہے کہ اچھی باتیں تو اسرار و رموز سے لیکر نثر میں لکھ دی ہیں اور تمام بری باتیں اپنی طرف سے اضافہ کردی گئی ہیں۔ اتنا سنگین الزام اور وہ بھی محض شنیدہ کو عائد کرتے ہوئے کم از کم اس خبر پہنچانے والے کے مالہ وماعلیہ سے بھی حضرت اقبال آگاہ فرمادیتے تو اس سے قارئین کی کچھ تو تسلی و تشفی ہوجاتی کہ خبر ساندہ کی اپنی حیثیت کیا ہے؟ اور اس کا علم و حکمت میں کیا مقام ہے؟ جبکہ اس نے "اسرار و رموز" کی ان اچھی باتوں کا حوالہ بھی نہیں دیا جو مشرقی نے تذکرہ میں نثر میں لکھ دی ہیں اور نہ ہی ان بری باتوں کا ذکر کیا گیا ہے جو صاحب تذکرہ نے اپنی طرف سے شامل کرلی ہیں۔ ایسے سنگین الزام کے بعد محققین پر اب یہ فرض عائد ہوگیا ہے کہ وہ "اسرار و رموز" اور "تذکرہ" یا "خریطہ" کے دیباچہ کی تعلیمات کا موازنہ کریں، انہیں علم کی کسوٹی پر جانچیں اور پرکھیں اور اپنی علمی تحقیق و تفتیش کے بعد علامہ اقبال کے اس شنیدہ الزام کو جو بہت بڑا گھناؤنا اور سنگین الزام بھی ہے کی تصدیق و توثیق کریں یا اس الزام کو مسترد کردیں۔

اسرار و رموز، ایک سو ستر صفحوں پر مشتمل عام تقطیع پر چھپی ہوئی علامہ اقبال کی فارسی مثنویاں ہیں جس میں 1870 اشعار ہیں جبکہ تذکرہ چھ صد بڑے صفحات پر المشرقی کا نثری شاہکار ہے جس میں قرآن حکیم کی کل 6237 آیات میں سے 1695 آیات کی تشریح انہوں نے کی ہے۔ اب

علامہ محمد اقبال اور علامہ محمد عنایت اللہ خان المشرقی کی ان تصانیف کا علمی موازنہ و مقابلہ اب اہل تحقیق کی ذمہ داری بن گئی ہے۔

محترم ابوالکلام آزاد کے تذکرہ میں ذکر اقبال اور اس پر رد عمل

محترم ابوالکلام آزاد کی کتاب "تذکرہ" کے مدون محترم فضل الدین احمد نے اسرار خودی، اور رموز بے خودی، کو اہلال، کی صدائے بازگشت قرار دیتے ہوئے مولانا آزاد کے تذکرہ کے مقدمہ میں لکھا:-

ڈاکٹر اقبال کا مذہبی عقائد میں پچھلا حال جو سنا ہے اس کے مقابلہ میں ان کی فارسی مثنویاں دیکھتے ہیں تو سخت حیرت ہوتی ہے۔ "اسرار خودی" اور "رموز بے خودی" فی الحقیقت اہلال، ہی کی صدائے بازگشت ہیں۔" (تذکرہ ابوالکلام آزاد ۱۹۱۹ء صفحہ ۱۲ مکتبہ جدید ۱۹۴۰ء)

علامہ اقبال نے سید سلیمان ندوی کو اس سلسلے میں شکایتی خط لکھا تھا۔ وہ تو اپنی زندگی میں اس "تحریری الزام" پر سید صاحب کے ذریعے حرف شکایت محترم ابوالکلام تک پہنچا سکے۔ المشرقی کی وفات کے تینتیس برس بعد اس شنیدہ سنگین الزام کی اشاعت کی تصدیق یا تردید کس کی ذمہ داری ہے؟

سید سلیمان ندوی کے نام اقبال کا خط

10 نومبر 1919ء کو ڈاکٹر اقبال سید سلیمان ندوی کو لکھتے ہیں:-

"مولانا ابوالکلام کا تذکرہ آپ کی نظر سے گذرا ہوگا، بہت دلچسپ کتاب ہے، مگر دیباچہ میں مولوی فضل الدین احمد لکھتے ہیں کہ "اقبال کی مثنویاں تحریک "اہلال" ہی کی آواز بازگشت ہیں۔ شاید ان کو یہ معلوم نہیں کہ جو خیالات میں نے ان مثنویوں میں ظاہر کئے ہیں ان کو برابر ۱۹۰۷ء سے ظاہر کر رہا ہوں، اس کے شواہد میری مطبوعہ تحریں نظم و نثر انگریزی و اردو موجود ہیں، جو غالباً مولوی صاحب کے پیش نظر نہ تھیں، بہرحال اس کا کچھ افسوس نہیں کہ انہوں نے ایسا لکھا، مقصود اسلامی حقائق کی اشاعت ہے نہ نام آوری البتہ اس بات سے مجھے رنج ہوا ہے کہ ان کے خیال میں

اقبال تحریک اہلال سے پہلے مسلمان نہ تھا تحریک اہلال نے اسے مسلمان کیا۔ ان کی عبارت سے ایسا خیال مترشح ہوتا ہے، ممکن ہے ان کا مقصود یہ نہ ہو۔ میرے دل میں مولانا ابوالکلام کی بڑی عزت ہے اور ان کی تحریک سے ہمدردی، مگر کسی تحریک کی وقعت بڑھانے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ اوروں کی دل آزاری کی جائے۔ وہ لکھتے ہیں کہ "اقبال کے جو مذہبی خیالات اس سے پہلے سنے گئے ان میں اور مثنویوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔" معلوم نہیں انہوں نے کیا سنا تھا، اور سنی سنائی بات پر اعتبار کر کے ایسا جملہ لکھنا جس کے کئی معنی ہو سکتے ہوں کسی طرح ان لوگوں کے شایان شان نہیں جو اصلاح کے علمبردار ہوں۔ مجھے معلوم نہیں مولوی فضل الدین احمد صاحب کہاں ہیں ورنہ یہ موخر الذکر شکایت براہ راست ان سے کرتا، اگر آپ سے ان کی ملاقات ہو تو میری شکایت ان تک پہنچایئے۔ امید ہے کہ آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔ والسلام۔ آپ کا خادم محمد اقبال (اقبال نامہ صفحہ ۱۱۰-۱۱۱)

مولوی فضل الدین احمد کی سنی سنائی بات کے معرض تحریر آنے پر اقبال کا غم و غصہ بجا ہے اور وہ سید سلیمان ندوی کی وساطت سے مولانا آزاد تک اپنی شکایت پہنچانے میں بالکل حق بجانب تھے۔ مولانا آزاد تک جب اقبال کی شکایت پہنچی تو انہوں نے سید سلیمان ندوی کو لکھا۔

محترم ابوالکلام آزاد کا ندوی صاحب کو جواب

رانچی بہار۔ ۲ جنوری ۱۹۲۰

صدیقی العزیز

"ڈاکٹر اقبال کا شکوہ بے جا نہیں۔ یہ نہایت ہی لغو اور سبک بات ہے کہ فلاں نے فلاں بات فلاں کے اثر سے لکھی اور فلاں کے خیال میں یوں تبدیلی ہوئی، لیکن لوگوں کا پیانہ نظر یہی باتیں ہیں تو کیا کیا جائے۔ دراصل اس کمبخت "تذکرہ" کی ساری باتیں میرے لئے تکلیف دہ ہوئیں۔ مسٹر فضل دین نے یہ مقدمہ لکھ کر نظر ثانی کے لئے بھیجا تھا، میں نے واپس نہیں بھیجا، اس لئے کہ وہ موجودہ حالت میں کتاب کو پہلا حصہ کر کے

شائع کرنا چاہتے تھے اور میں مصر تھا کہ ایک ہی مرتبہ پوری کتاب شائع کر دی جائے۔ صرف اتنا ٹکڑا حد درجہ ضمنی مطولات و عدم انضباط کی وجہ سے نہایت مکروہ ہوگا۔ خیال کیا کہ مقدمہ کا واپس نہ کرنا اشاعت میں روک ہوگا، لیکن انہوں نے بجنسہ چھاپ کر جلد باندھ کر، یکایک ایک نسخہ بھیج دیا اور ان ساری باتوں کو وہ مزاح سمجھتے رہے۔ علاوہ ڈاکٹر اقبال والے ٹکڑے کے پورا مقدمہ طرز تحریر و استدلال وغیرہ کے لحاظ سے بالکل خوب ہے۔ لطف یہ کہ اس مرتبہ جب وہ جلسے کے موقعہ پر آئے اور میں نے پوچھا کہ اقبال کی نسبت آپ نے کیونکر تبدیلی معلوم کی تو خود میرے ہی ایک قول کا حوالہ دیا، جو بھی کہا تھا۔ حالانکہ میں نے جو بات کہی تھی وہ صرف یہ تھی کہ اقبال پہلے آج کل کے عامتہ الناس کے تصوف میں مبتلا تھے، اب ان کے خیالات اس طرف سے ہٹ گئے ہیں اور دونوں مثنویوں میں جو بات ظاہر کرنی چاہتے ہیں وہ وہی ہے جو میں ہمیشہ لکھتا رہا ہوں۔"
(تبرکات آزاد صفحہ ۱۵۷)

ابوالکلام آزاد نے اقبال کا شکوہ گلہ بھی دور کر دیا اور اپنی بات بھی کہہ دی کہ "وہ دونوں مثنویوں میں جو بات ظاہر کرنا چاہتے ہیں وہ وہی ہے جو میں ہمیشہ لکھتا رہا ہوں۔"

اسرار و رموز

"اسرار و رموز" کے دیباچہ کی ابتداء ڈاکٹر اقبال ان الفاظ میں کرتے ہیں!
"یہ وحدت وجدانی یا شعور کا روشن نقطہ، جس سے تمام انسانی تخیلات و جذبات و تمنیات مستنیر ہوتے ہیں۔ یہ پراسرار شے جو فطرت انسانی کی منتشر اور غیر محدود کیفیتوں کی شیرازہ بندی ہے۔ یہ "خودی" یا "انا" یا "میں" جو اپنے عمل کی رو سے ظاہر اور اپنی حقیقت کی رو سے مضمر ہے، جو تمام مشاہدات کی خالق ہے، مگر جس کی لطافت مشاہدہ کی گرم نگاہوں کی تاب نہیں لا سکتی، کیا چیز ہے؟ کیا یہ ایک لازوال حقیقت ہے یا زندگی نے محض عارضی طور پر اپنی فوری عملی اغراض کے حصول کی خاطر اپنے

آپ کو اس فریب تخیل یا دروغ مصلحت آمیز کی صورت میں نمایاں کیا ہے؟"

اس دیباچہ میں مسئلہ وحدت الوجود کی تاریخ وارتقا پر تبصرہ کرتے ہوئے انہوں نے ہندوستان، مغربی ایشیاء، ایران اور اندلس کے مشاہیر کے اس مسئلہ پر خیالات و آرا کا تجزیہ کرتے ہوئے عجمی شعراء کا تصوف کے اس رنگ میں رنگے جانے کا ذکر کیا۔ وہ کہتے ہیں۔ "مختصر یہ کہ ہندو حکماء نے مسئلہ وحدت الوجود کے اثبات میں دماغ کو اپنا مخاطب کیا، مگر ایرانی شعراء نے اس مسئلے کی تفسیر میں زیادہ خطرناک طریق اختیار کیا یعنی انہوں نے دل کو اپنا آماجگاہ بنایا اور ان کی حسین وجمیل نکتہ آفرینیوں کا آخر کار یہ نتیجہ ہوا کہ اس مسئلے نے عوام تک پہنچ کر قریبا تمام اسلامی اقوام کو ذوق عمل سے محروم کر دیا۔"

لفظ "خودی" کے متعلق اس دیباچہ کے آخر میں لکھتے ہیں:۔

"ہاں لفظ "خودی" کے متعلق ناظرین کو آگاہ کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ یہ لفظ اس نظم میں بمعنی غرور استعمال نہیں کیا گیا، جیسا کہ عام طور پر اردو میں مستعمل ہے۔ اس کا مفہوم احساس نفس یا تعین ذات ہے۔ مرکب لفظ "بے خودی" میں بھی اس کا یہی مفہوم ہے اور غالبا محسن تاثیر کے اس شعر میں بھی لفظ خودی کے یہی معنی ہیں ۔

غریق قلزم وحدت دم از خودی نزند
بود محال کشیدن میان آب نفس!

محمد اقبال

فلسفہ خودی و بے خودی!

اسرار و رموز ۱۸۷۰ اشعار پر مشتمل مثنویوں کی تعلیم کا لب لباب چند الفاظ میں بیان کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے یہ اس لئے بھی مشکل کام ہے کہ کئی اشعار کے مطالب بطن شاعر میں ہوتے ہیں۔ آسان سے آسان اور مختصر سے مختصر الفاظ میں یہ کہا جاسکتا ہے

کہ اقبال کے نزدیک نظام عالم کی اصل و اساس خودی ہے اور حیات کا تسلسل اور تعینات وجود کا انحصار خودی کے استحکام پر ہے۔ خودی عشق و محبت سے مستحکم ہوتی ہے اور سوال و دریوزہ گری سے کمزور، ناتواں اور ضعیف ہو جاتی ہے۔ خودی عشق و محبت سے مستحکم ہونے کے بعد نظام عالم کے قوائے ظاہری و مخفی کو مسخر کر لیتی ہے اس کے بعد تربیت خودی کے مختلف مراحل کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے پہلے مرحلہ کو اطاعت کہا ہے جس سے مقصود یہ ہے کہ اعلیٰ اور سچی حریت اطاعت یعنی پابندی فرائض سے پیدا ہوتی ہے۔ دوسرے مرحلہ کو ضبط نفس کہتے ہیں۔

ہر کہ برخود نیست فرمانش رواں　　می شود فرماں پذیر از دیگراں

اور تیسرے مرحلے کو نیابت الٰہی کا نام دیتے ہوئے کہتے ہیں:-

نائب حق در جہاں بودن خوش است　　بر عناصر حکمراں بودن خوش است
نائب حق ہمچو جان عالم است　　ہستی او ظل اسم اعظم است
نوع انساں را بشیر و ہم نذیر　　ہم سپاہی ہم سپہ گر ہم امیر
مدعائے علم الاسما ستے　　سر سبحان الذی اسرا ستے

اسی نظم میں اپنی آرزو کو بیان کرتے ہوئے وہ فرماتے ہیں:-

اے سوار اشہب دوراں بیا　　اے فروغ دیدہ امکاں بیا
رونق ہنگامہ ایجاد شو　　در سواد دیدہ ہا آباد شو
شورش اقوام را خاموش کن　　نغمہ خود را بہشت گوش کن
خیز و قانون اخوت ساز دہ　　جام صہبائے محبت باز دہ

صداقت اور قوت

اقبال صداقت اور قوت کو توام سمجھتے ہیں۔ حق و باطل کی جنگ کی شرح قوت ہے۔ طاقتور کو کسی دلیل کی ضرورت نہیں، اس کے دعویٰ کی صداقت کے لئے یہی دلیل کافی ہے کہ وہ طاقتور ہے۔ اس قوت سے باطل میں بھی حق کی شان پیدا ہو جاتی ہے۔ اسرار اسمائے حضرت علی مرتضیٰؓ کی شرح بیان کرتے ہوئے "اسرار خودی" میں

کہتے ہیں۔

زندگانی قوت پیداستے　　اصل او از ذوق استیلاستے
باتوانائی صداقت توام است　　گر خود آگاہی ہمیں جام جم است
زندگی کشت است و حاصل قوت است　　شرح رمز حق و باطل قوت است
مدعی گر مایہ دار از قوت است　　دعوی او بے نیاز از حجت است
باطل از قوت پذیرد شان حق　　خویش را حق داند از بطلان حق
از کن او زہر کوثر می شود　　خیر را گوید شرے شر می شود
از رموز زندگی آگاہ شو　　ظالم و جاہل ز غیر اللہ شو

چشم و گوش و لب کشا اے ہوش مند
گر نہ بینی راہ حق بر من بخند

مندرجہ بالا اشعار میں بیان کیا گیا فلسفہ بہ تمام و کمال نٹشے کا ہے جو کہتا ہے "کامیاب جنگ ہر عذر کو مقدس بنادیتی ہے۔"

اقبال نے طاقت حق ہے کا فلسفہ تو نٹشے، سے لے لیا اور "خودی" و بے خودی کی فلاسفی فشٹے سے اخذ کرلی۔ نٹشے، کانٹ کو اخلاقی مجنوں کہا کرتا تھا اور فشٹے کانٹ کے متبعین میں سے تھا۔

اقبال کے جن مداحوں نے اقبال کے حقیقی فلسفہ اور اس کے پس منظر کو سامنے لانے کی کوشش کی ہے ان میں سید نذیر نیازی، یوسف چشتی، پرفیسر تاج محمد خیال، خلیفہ عبدالحکیم، پروفیسر محمد شریف، سیدین، فقیر وحید الدین اور علی عباس جلالپوری کے نام قابل ذکر ہیں۔

جناب علی عباس جلالپوری خودی کا فلسفہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

خودی کا فلسفہ

"خودی Ego کا فلسفہ جرمنی فلسفی فشٹے نے شرح و بسط سے پیش کیا ہے۔ جنگ جینا میں نپولین نے جرمنوں کو شکست فاش دی تو ان میں سخت بددلی پھیل گئی۔ فشٹے نے اپنے

ہم وطنوں کو سہارا دینے کے لئے یہ فلسفہ پیش کیا۔

شوپنہائر نے حقیقت (Reality) کو ارادے کا نام دیا تھا، فشٹے اسے خودی کہتا ہے اور اسے آزاد فعلیت تصور کرتا ہے، اس کے نظریے کے مطابق خودی ایک تخلیقی اصول ہے اور ہر شے میں موجود ہے۔ خودی سراپا حرکت و عمل ہے اور لامتناہی فعلیت ہے۔ اس خودی سے جو موضوع فعال ہے۔ ناخودی Non Ego معروض Object کی صورت میں نکلتی ہے تاکہ خودی اس کی تسخیر کر سکے۔ خودی مطلق انسانی شعور میں جوش عمل پیدا کرتی ہے۔ نظام کائنات خودی ہی کی تخلیق ہے اور اس کا مقصد محض یہ ہے کہ وہ خودی کے راستے میں مزاحم ہو کر اسے جدوجہد پر آمادہ کرے۔ سب سے پہلے خودی کو اپنا شعور ہوتا ہے لیکن علم و شعور کے لئے ضروری ہے کہ کوئی معروض (Object) بھی ہو، جسے وہ جانے پہچانے۔ چنانچہ وہ ناخودی کی تخلیق کرتی رہتی ہے۔ خودی کے لئے ناخودی کا وجود ضروری ہے تاکہ اس کے خلاف کشمکش کر کے عمل ارتقا کو حرکت دے سکے اور اس جدل و پیکار سے اس میں خود آگاہی پیدا ہو جائے۔ یہ نقطہ نظر بنیادی طور پر مثالیاتی ہے۔ یعنی اس میں مادے کا وجود بالذات نہیں ہے اور ہر شے کی ساخت ذہنی ہے۔ فشٹے نے دیکارت، کانٹ اور لاک کی ذہن و مادے کی دوئی سے انکار کیا اور مادے کو کلیتاً خارج کر دیا۔ اس کے خیال میں عالم صرف ظاہری طور پر مادی دکھائی دیتا ہے۔ حالانکہ فی الحقیقت وہ ذہنی ہے۔ خودی ہی خدا ہے۔ خودی کو اس نے مطلق خودی کا نام دیا ہے اس طرح مثالیاتی موضوعیت (Subjectivisim) فشٹے کے فلسفے میں انتہا کو پہنچ گئی۔"

"فشٹے کی خودی کا اصل محرک عمل ہے فکر و دانش نہیں ہے۔ خودی کی صلاحیتوں کا اظہار اس وقت ہوتا ہے جب ناخودی کی مخالف قوتوں سے نبرد آزما ہوتی ہے اسی کشمکش سے اخلاقی قدریں جنم لیتی ہیں۔ وجود مطلق Absolute Being شیلنگ کے لئے جمالیاتی ہے۔ ہیگل کے لئے عقلیاتی اور فشٹے کے لئے اخلاقیاتی ہے۔ فشٹے بقا کو مشروط سمجھتا ہے اس کے خیال میں صرف معدودے چند اشخاص ہی جن کی خودی پختہ ہوگی موت کے بعد حیات جاوداں حاصل کر سکیں گے۔ باقی سب مٹ مٹا کر فنا ہو جائیں گے۔

چڑھاوے، تعویز، اصطباغ، ہون، اشنان، وغیرہ وغیرہ سب مراسم مشق و رواج کے وہ اسرار جاریہ ہیں کہ ان کی لم تک پہنچنا عوام کے نزدیک کچھ ضروری نہیں۔ بایں ہمہ ہر شخص ان کو نہایت عقیدت اور التزام سے کرتا ہے، ان کے سچ یا جھوٹ، روا یا ناروا ہونے کے متعلق ایک حرف زبان پر نہیں لاتا۔ جاہل اور عالم، کم فہم اور عاقل سب اس مشن نامعلوم میں حصہ لے رہے ہیں، اور ان کو حسب توفیق نباہتے رہنا زندگی کا منشائے اہم سمجھتے ہیں۔ انسان کی تمام داستان فرض و یقین میں، نہیں بلکہ اس کی اکثر روئیداد سعی و عمل میں مذہب ہی وہ ہمہ گیر اور خاموش عامل ہے کہ اس کا حیرت انگیز اثر کم و بیش ہر فرد پر نمایاں ہے اور مذہب ہی وہ بحث سے منفک، حیطہ دلیل سے خارج اور اب وجد کی وہ وارث متواتر ہے کہ ہر شخص اس پر بلا چون و چراں قابض رہنا اپنا فرض منصبی سمجھتا ہے۔ (تذکرہ دیباچہ صفحہ ۲-۱)

اسی سلسلہ کلام کو آگے بڑھاتے ہوئے المشرقی لکھتے ہیں۔

کونسا مذہب سچا ہے؟

"تعجب ہے کہ مذہب کی طرف اس عام میلان کے باوجود ابتدائے آفرینش سے آج تک یہ قطعی فیصلہ نہ ہو سکا کہ کونسا مذہب سچا ہے؟ کونسا شارع کائنات کے منشاء کے عین مطابق ہے؟ مذہب کی سچائی کا معیار کیا ہے، نہیں بلکہ خود مذہب کیا شے ہے، اور اس کا مقصود بالذات بعینہ کیا ہے، خود خدا کی ہستی اور اس کے صحیح منشا کے متعلق آج تک کوئی حتمی اور متفق علیہ دلیل نہیں مل سکی۔ منتہائے حیات کا سر عظیم بالکل ناتلاش کردہ پڑا ہے، موت کا حجاب اکبر ارب در ارب انسانوں کی موت کے باوجود قطعاً ناقابل درک ہے؟ علم حساب کی صداقتوں پر آج سب انسان متفق ہیں، اس کی کسی ایک شق کے بارے میں شائبہ اختلاف پیدا نہیں ہوتا۔ علم الطبعیات کے حقائق پر سارا جہاں متحد ہے، ان کو آنکھوں سے دیکھ رہا ہے، ان سے طلب عمل کر رہا ہے، ان سے نتائج اخذ کر کے قوت کی راہیں پا رہا ہے! نہیں زمین کی محوری حرکت یا سورج کے اضافی سکون پر بھی سب دنیا بالآخر متفق ہو گئی ہے، سب کے سب عینی شہادت کو فریب نظر سمجھ کر دم

بخود ہو گئے ہیں۔ سکون زمین کے متعلق ارسطو کے غلط مذہب کا آج ایک پیرو نظر نہیں آتا، اگلے وقتوں کے سب غلط علمی نظریے نسیاً منسیا ہو چکے ہیں لیکن ہندو اور بدھ، گبرو برہمن، عیسائی اور مسلمان کے درمیان اختلاف بدستور قائم ہے! مذہب کو ساکنان زمین نے کیوں ایسی شئے فرض کرلیا ہے کہ اس کی سچائی کے مابین یہ بعد المشرقین ہے؟ صداقت کی جامع الناس کیفیت کیوں ان سب کو کسی مشترک حقیقت پر جمع نہیں کرتی، یہ کیوں ہے کہ سب کی نظروں میں اپنا مذہب سچ ہے اور باقی سب غلط ہیں حالانکہ بظاہر سب کے درمیان تضاد قطبین ہے۔ اگر سب اپنی اپنی جگہ سچ ہیں تو اختلاف کیوں ہے، اور جب اختلاف ہے تو سچائی کا ادعا کیسا ہے؟" (تذکرہ دیباچہ صفحہ ۲)

قرآن کی حقانیت

علامہ مشرقی نے تذکرہ کے دیباچہ میں مذاہب عالم کی سچائی کے دعوؤں کے بارے میں جس علمی بحث کا آغاز کیا اس کا جواب انہوں نے قرآن حکیم کی بارگاہ سے حاصل کرنے کی کوشش کی کیونکہ "روئے زمین کے آسمانی کتب خانے میں لے دیکر صرف ایک قرآن ہے جو سب انسانی تصرف سے محفوظ رہا ہے، اس میں ایک حرف کے برابر کہیں تبدیلی نہیں ہوئی، الفاظ کی ترتیب میں آیتوں کے الفاظ میں سورتوں کی آیتوں میں یہ کتاب بعینہٖ وہی ہے جو پیغمبر آخرالزمان ﷺ نے دنیا کو دی۔ کوئی تساہل، کوئی کوتاہ نظری، بددیانتی یا غرضمندی اس کو پہلے دن سے نقل کرنے میں نہیں ہوئی، نہیں بلکہ اس کے ایک پرانے نسخے کے متعلق جدید انکشاف جو حال میں ہوا ہے اس نے حکما" اور علما" ثابت کردیا ہے کہ یہ وہی ہے جو پہلے تھی، وہی ترتیب ہے جو ایک دفعہ مقرر ہو چکی تھی۔ وہی نص ہے، وہی الفاظ ہیں، سینوں کے جوف میں ہے تو وہی ہے، اور کاغذ کے میدان پر ہے تو وہی ہے۔" (تذکرہ دیباچہ صفحہ ۲۱)

تذکرہ اور خودی

"تذکرہ" کے چار ساڑھے چار سو اردو صفحات پر پھیلی ہوئی اس بحث کو چند صفحات میں سمیٹ کر پیش کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے اور نہ ہی یہ مجھ جیسے کم علم آدمی

کی ذمہ داری بنتی ہے۔ اس کے باوجود یہ حقیقت بالکل واضح ہے کہ "تذکرہ" کی اس ضخیم کتاب میں کہیں بھی "خودی" "بے خودی" وجدان اور خرد دشمنی کی تعلیم نہیں دی گئی اور نہ ہی ان کا ذکر تذکرہ میں کہیں کیا گیا ہے البتہ مابعد الطبیعات وجدان اور تصوف کو اسلامی فلسفہ عمل کا نقیض ضرور ثابت کیا گیا ہے اور اس تمام بحث و تمحیص کے سلسلہ میں "المشرق" نے دلیل و برہان کو اپنی نظروں سے اوجھل ہونے نہیں دیا۔ انہوں نے ہر بات دو اور دو چار کی طرح کی، عقل و خرد کی روشنی میں کی، وحی الٰہی کی برقی مشعل سامنے رکھ کر کی۔ کہیں بھی شف شف نہیں، آئیں بائیں شائیں نہیں۔ ایک سائنسدان کا پر زور استدلال ہے جو آبشار کی طرح گر رہا ہے، آب مصفا کی طرح رواں ہے اور جس میں علم و حکمت کے بیش بہا موتی صاف تیرتے نظر آ رہے ہیں۔ تذکرہ میں کوئی فلسفیانہ بحث یا کج بحثی نہیں، شاعرانہ تعلی نہیں، غلو نہیں، ہر بات کی بنیاد دلیل پر ہے اور ہر دلیل کو واضح کرنے کے لئے قرآن حکیم کی آیت پیش کی گئی ہے۔ اسرار و رموز کی نہ تو کسی اچھی بات کا اس کتاب میں ذکر ہے کہ تذکرہ عقائد کی کتاب نہیں اور نہ ہی مشرقی نے اس میں اپنی طرف سے کوئی بری بات لکھی ہے کہ تذکرہ قرآن حکیم کے چراغ منیر کی روشنی میں لکھا گیا ہے۔ یہ ایک ماہر ریاضی دان اور سائنسدان کی علمی اور فکری کاوش ہے جس پر اس نے خود عمل پیرا ہو کر ثابت کر دیا تھا کہ قرآن حکیم پر عمل کر کے آج بھی وہی نتائج حاصل کئے جا سکتے ہیں جو قرن اول میں حاصل کئے گئے تھے اور یہی اس کے سچے اور من جانب اللہ ہونے کی دلیل ہے۔

میں نے حقیقت کو پالیا

تذکرہ کی اشاعت کے چار سال بعد علامہ مشرقی نے ۲۸ نومبر ۱۹۲۸ کو اسلامیہ کالج پشاور کی ایک علمی مجلس میں تقریر کرتے ہوئے کہا:۔

"میں اپنی باقی ماندہ زندگی اپنے درگزر کئے ہوئے دوست (ریاضی) کے نام وقف کرتا ہوں، میں اپنے آپ کو قرآن کی حقیقتوں کے لئے وقف کرتا ہوں جو بنی نوع انسان کے لئے حکمت کا مرقع عطا کرتی ہیں۔ مجھے یہ دعویٰ کرنے میں باک نہیں کہ میں پہلا

شخص ہوں جس نے جھوٹ اور ظلمات کے تہہ در تہہ پردوں میں ازل سے پوشیدہ سچائی اور حقیقت کو دریافت کرلیا ہے۔ ہاں، پہلا غیر جذباتی دریافت کنندہ ہوں جس کا کوئی ثانی نہیں۔ مجھے پیغمبر ہونے کا دعویٰ نہیں اور نہ ہی وحی آنے کا دعوی کرتا ہوں۔ میں نے اس حقیقت کو پالیا ہے کیونکہ میرے اندر یہ صلاحیت موجود ہے کہ میں حساب دانی کی مدد سے وسعت نظر رکھتا ہوں اور اہلیت رکھتا ہوں۔ میں معروف عام فضولیات کو غیر معروف حقیقت کے علم سے جو مجھے فطرت نے عطا کیا ہے رد کرتا ہوں۔ میں اپنے آپ کو اس علم فطرت کے ذریعے نظام فطرت میں بلندی پر رکھ کر دیکھتا ہوں تو محسوس کرتا ہوں کہ میں ایڈیسن اور سٹیفن سن کی نسبت زیادہ متناہی اور مفید علم سے روشناس کرواسکتا ہوں۔ حقیقتاً محض ایک کتاب کے ذریعے یہ سب کچھ ممکن ہے جس کے لئے بنی نوع انسان صدیوں سے جدوجہد کررہی ہے۔ ہاں، یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ مجھے ریاضی کی دیوی نے مہمیز دی جس سے میں نے اپنے آپ کو وابستہ کرلیا اور اس وقت تک نہ چاہتے ہوئے بھی وابستہ رہا جب تک مجھے اس سے بہتر چیز نہ مل گئی۔" (ویکلی SCAN اسلام آباد ۱۴۔مارچ ۲۳۔ مارچ ۱۹۸۸ء) اور وہ بہتر چیز صرف قرآن حکیم ہے جس سے علامہ مشرقی نے ریاضی سے وابستہ رہتے ہوئے حقیقت کو پالیا تھا۔ یہ کوئی تسکین انا کی لغو رانی یا شاعرانہ تعلی نہیں تھی بلکہ ان کا تذکرہ آج بھی بے مثال اور لاثانی ہے اور آسمان علم و ادب میں اس کا کوئی جواب نہیں ہے۔

مشرقی اقوام و ملل نے عموماً اور ہندوستان کے مسلمان صاحبان حال و قال نے خصوصاً اس عظیم تصنیف سے بے رخی برتی اور اس میں دیئے گئے حیات پرور اور زندگی بخشش پیغام کی طرف کماحقہ توجہ نہ دی جبکہ یورپ اور امریکہ کی یونیورسٹیوں میں تذکرہ پر لیکچرز دیئے گئے۔ رائل سوسائٹی آف آرٹس جو اسے "یادگار شہ کار" قرار دے چکی تھی، نے علامہ مشرقی کو دعوت دی کہ وہ لندن آئیں اور اپنی تصنیف تذکرہ پر اپنی تصریحات پیش کریں۔

یورپ کے مشہور و معروف محققین نے "تذکرہ کو "قومی تعمیر کا انتہائی کامیاب قانون" "الٰہی معاشرت کا بے خطا انکشاف" قرار دیا۔

بین الاقوامی مجلس مستشرقین (انٹرنیشنل کانگرس آف اورنٹلٹس) نے المشرقی کو ۱۹۳۱ء میں تذکرہ کی تصریحات کے لئے دعوت دی چونکہ اس وقت وہ خاکسار تحریک شروع کرچکے تھے انہوں نے دویزیوں میں ٹانگ اڑانا مناسب خیال نہ کرتے ہوئے علمی تلاش و تجسس کو اسلام کو غالب بنانے کی دھن میں قربان کردیا۔

اگست ۱۹۵۴ء میں ہالینڈ کے مشہور مستشرق پروفیسر بلجان نے انسائیکلوپیڈیا "ورلڈ آف اسلام" کے ایک مقالہ "زمانہ حال کے قرآنی دس احکام" کو بطور خود بڑی تعداد میں چھپوا کر دنیا کے دانشوروں میں تقسیم کیا۔ یہ طویل مقالہ "تذکرہ" پر ایک بے مثال تبصرہ ہے اور اس میں کھلے طور پر اقرار ہے کہ "تذکرہ" تمام دنیا کی قوموں کے لئے ایک مستقل دستور العمل ہے اور خدائی معاشرت کا ایک ناقابل رد لائحہ عمل ہمیشہ کے لئے ہے۔

☆==========☆

چھٹا باب

اقبال اور دیباچہ خریطہ

اقبال اور دیباچہ "خریطہ"

علامہ مشرقی شاعری کو ہمیشہ ایک بے کار شغل سمجھتے رہے اور شعر کے لاطائل شے ہونے کے متعلق اپنے نظریات کا ہمیشہ برملا اظہار کرتے رہے۔ شاعری کے پیش پا افتادہ اور بے حقیقت چیز ہونے کے متعلق انہوں نے اپنا یادگار مقالہ خریطہ کے دیباچہ کے طور پر ۱۹۲۴ء میں شائع کیا۔ اس میں انہوں نے بقول اقبال شعرو شاعری کی خوب خبر لی ہے۔

علامہ اقبال نے ماسٹر محمد حسین کے نام ۱۹۲۴ء میں لکھے گئے ان زیر بحث خطوط میں زیادہ تر "خریطہ" کے اردو دیباچہ کو ہی اپنی تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔ کیونکہ یہ مقالہ نہ صرف اپنے علمی زور بیان سے بے حد جارحانہ ہے بلکہ شعر شاعری کی ہزاروں سالہ پرانی عمارت کو بوسیدہ اور خطرناک بھی قرار دے رہا ہے۔

"خریطہ" المشرقی کی فارسی رباعیات، غزلوں اور نظموں پر مشتمل ۱۷۶ صفحوں کی تصنیف ہے اور دیباچہ اس سے الگ تقریباً ساٹھ ستر صفحوں پر پھیلا ہوا بے مثال و بے نظیر مقالہ ہے۔ تذکرہ کی اشاعت کے بعد انہیں خیال آیا کہ تذکرہ کی تعلیم اور آواز کو طبقہ شعراء اور شعرزدہ لوگوں تک بھی پہنچایا جائے اور امت کے عشق پیشہ، مرثیہ گو اور نوحہ گر شاعروں کو باور کرایا جائے کہ شعروشاعری، علم و عمل اور حکومت و نبوت کی نقیض ہے چنانچہ انہوں نے اپنی بچپن کی شاعری کو ضائع کرنے کی بجائے اسے اس یادگار لیکن متنازعہ فیہ دیباچہ کے ساتھ خریطہ کے نام سے تذکرہ کی اشاعت کے فوراً بعد شائع کر دیا۔

اقبال ۱۵ اگست ۱۹۲۴ء کے خط میں چوہدری محمد حسین کو لکھتے ہیں:۔

> "مصنف تذکرہ نے اپنے فارسی اشعار بھی شائع کئے ہیں۔ دیباچے میں شاعری پر بڑی جرح قدح کی ہے اور اس کو فضول محض قرار دیا ہے۔ ان کے ادارہ اشاعت نے دیباچے کے متعلق مجھ سے رائے طلب کی تھی جو میں نے لکھ کر بھیج دی ہے۔"

علامہ اقبال نے خریطہ کے دیباچہ پر اپنی جو رائے لکھ کر ادارہ اشاعت تذکرہ امرتسر کو بھجوائی تھی وہ آج تک منظر عام پر نہ آسکی اور نہ ہی ڈاکٹر صاحب اور انکے احباب نے اسے بطور خود شائع کرایا۔ ۲۵۔ اگست ۲۴ء کے خط میں چوہدری صاحب کو دوبارہ لکھتے ہیں:۔

"مشرقی صاحب نے اپنی نظموں کو بھی شائع کیا ہے۔ چند فارسی نظموں کا مجموعہ ہے جس کا دیباچہ اردو میں ہے۔ اس دیباچہ میں انہوں نے شعروشعری کی خوب خبر لی ہے۔ میرے پاس بھی ایک کاپی آئی تھی جو میں نے چوہدری غلام رسول کو دے دی ہے۔"

۱۰۔ اکتوبر ۱۹۲۴ء کے خط میں علامہ اقبال نے اس دیباچہ پر شدید تنقید کی ہے۔ اس خط کے مندرجات کو زیر بحث لانے سے قبل خریطہ کے اردو دیباچہ میں مشرقی نے شعروشاعری پر جو جرح کی ہے اور شعروشاعری کے ساتھ شعراء کو بھی اپنی جس شدید تنقید کا نشانہ بنایا ہے اس کا ذکر اس لئے ضروری ہے کہ ڈاکٹر اقبال کے اس ردعمل کو سمجھنے میں آسانی رہے گی جو انہوں نے ۱۰۔ اکتوبر کے خط میں ظاہر کیا ہے۔

شاعری کے اثرات

علامہ مشرقی خریطہ کے دیباچہ کا آغاز ان الفاظ میں کرتے ہیں:۔

"کسی قوم کی بہترین شاعری کی تاریخ دراصل اس کی پستی اور انحطاط کی تاریخ ہے۔ قوم کے ذہنی محسوسات اور جذبات عالم شعروخیال میں اس وقت منتقل ہو جاتے ہیں جب علم و عمل کی روشنیاں قلوب سے محو ہو جاتی ہیں، جب سکون اور جمود سب طرف اپنا ڈیرہ جما لیتے ہیں، جب اس دنیا میں خوش اسلوبی اور زور سے رہنے کا لائحہ عمل رفتہ رفتہ نگاہوں سے اوجھل ہو جاتا ہے۔ اعضاء سست پڑ کر اور دل سخت ہو ہو کر ایک عام نسیان اور ضعف چاروں طرف پھیلا دیتے ہیں۔ پھر وہی تخیل جو کسی زمانے میں ہاتھوں اور پیروں کو حرکت دیا کرتا تھا شعر میں منتقل ہو کر دل کے اندر ایک ادنیٰ سا تموج، ایک خفیف سی سنسناہٹ، ایک بے نتیجہ

ہیجان یا ایک بے اثر چوٹ پیدا کر دیتا ہے۔ لوگ اسی کو مکرو ریا سے "زندگی" اور "جذبہ قومی" سے تعبیر کر لیتے ہیں اور لمبی تان کر سو رہتے ہیں۔ سعی و عمل کے فقدان کے باعث تمام زور اس تخیل کو خوبصورت بنانے میں صرف ہوتا ہے، اس کے بے عمل قدر شناس، اور زبانی واہ واہ کرنے والے سب طرف پیدا ہو جاتے ہیں اور ہر طرف سے علم و ادب کا ایک فصیح اور خوبصورت، ایک دردانگیز اور ہیجان خیز، ایک بے نتیجہ اور ناکارہ بر آر مرقع تیار ہو جاتا ہے!"

ہجرت کا دردناک انجام

کسی قوم کی بہترین شاعری کے درد کو اس قوم کی پستی، زوال اور انحطاط کی تاریخ گردانا، کوئی معمولی بات، کوئی شاعرانہ چوٹ یا کوئی بے معنی الزام نہ تھا۔ اس کا مکمل سائنسی تجزیہ المشرقی نے ایک تاریخ دان کی حیثیت سے کیا، ان کے پیش نظر ہندوستان ہی نہیں عالم اسلام کے تین صدیوں کے مسلسل زوال کی تاریخ تھی سلطنت عثمانیہ کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جانے کا تازہ زخم بھی لگ چکا تھا۔ ہندوستان میں ہجرت کی تحریک کی ناکامی کے اسباب و اثرات سے بھی وہ بخوبی آگاہ تھے بلکہ ہجرت کی ناکامی کے دردناک واقعات کا مشاہدہ وہ خیبر کی پہاڑیوں میں بچشم خود کر چکے تھے۔ انہوں نے ۱۹۳۹ء میں کوئٹہ بلوچستان میں ایک جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے اس ہوش ربا منظر کو ان الفاظ میں بیان کیا:۔

"یہ سماں اگست ۱۹۲۰ء کا ہے جبکہ پچیس ہزار انسان مولویوں کی بتائی ہوئی ہجرت کرکے والذین ھاجروا فی اللہ من بعد ما ظلموا لنبوئنھم فی الدنیا حسنۃ (۱۴-۱۶) کے خدائی وعدے کے خلاف، تمام گھربار پھونکنے اور کشتیاں جلا دینے کے بعد تین مہینے کے اندر اندر، ان قوم کش ملاؤں کی جرنیلی میں افغانستان سے سر جھکائے واپس آرہے تھے، کابل سے لیکر درہ خیبر تک اور تمام پہاڑوں میں گرداگرد لاشوں کے پشتے لگے تھے! معصوم اور کنواری لڑکیاں جن کے چہروں کو خدا کے سورج

کے سوا کسی نے نہ دیکھا تھا، عاجزی اور بے کسی کے عالم میں سڑکوں پر پڑی تھیں اور ان کے بدن پر چیتھڑا تک رہا نہ تھا! میں نے خود اپنے کانوں سے ایک اٹھارہ برس کی بچی کو کہتے سنا کہ "الہی! موت دے!" کیونکہ اس عصمت کی دیوی کو نہ صرف رستہ کے ڈاکوؤں بلکہ دشمن کے مقرر کردہ ہمسفروں سے اس لئے خطرہ تھا کہ اس کا بوڑھا والد سفر کی تکان کی وجہ سے سڑک پر دم توڑ رہا تھا، تین بھائی بہنیں سب خوبصورت اور جوان ساتھ تھے ان کا اسباب گدھوں پر تھا جن کو ایک ایک بچہ ہانکتا تھا۔ میں سب کو موٹر میں بٹھا کر دو گھنٹے کے اندر اندر گھر پہنچا دیتا لیکن وہ گدھوں کو چھوڑنا نہ چاہتے تھے اور کہتے تھے کہ گھر کہاں لے جاؤ گے، گھر گیارہ ہزار کا چار سو میں مہاجن نے لے لیا اب ہمارا گھر یہی گدھے ہیں۔ ہم گدھوں کے بغیر کہیں نہ جائیں گے۔ میں اس وقت پشاور سے ۴۰ میل کے فاصلے پر تھا اور شام کے ۴ بج چکے تھے! میری بیوی ساتھ تھی اور اس کی چیخیں نکل رہی تھیں۔ گردا گرد سب "مہاجرین" تھے، کوئی کسی کی نہ سنتا تھا اور ایک قیامت برپا تھی۔ (خطاب کوئٹہ ۱۹۳۹ء)

تذکرہ اور خریطہ لکھنے کا پس منظر

ہجرت کے خوفناک واقعے اور اس کے دردناک انجام نے مشرقی جیسے سائنس دان کو ان تمام واقعات کا جائزہ لینے پر مجبور کر دیا۔ ہندوستان کے شاعروں کے جذباتی ترانہ "بولی اماں محمد علی کی، جان بیٹا خلافت پہ دے دو" نے پچیس ہزار گھرانوں کو تباہ و برباد کر کے ہزاروں کو موت کے منہ میں دھکیل دیا تھا۔ ان حالات میں انہوں نے نہ صرف تذکرہ لکھ کر قرآن حکیم کا عالم آرا فلسفہ وراثت زمین، تمکن فی الارض اور غلبہ اسلام پیش کیا بلکہ خریطہ میں تین صدیوں کے مسلسل زوال کے کئی اسباب میں شاعری کو بھی سرفہرست اس لئے رکھا کہ ہندوستان کا آخری مغل تاجدار شاہ ظفر بھی تلوار کو چھوڑ کر شعرو شاعری میں مشغول رہ چکا تھا۔ دنیا کے عظیم شعراء سعدی، حافظ، ہومر، شکسپیر، غالب اور امراء القیس سب کو زمانہ انحطاط اور جاہلیت کے دور کے شاعر کہا اور بتایا کہ یہ سب کے سب شاعر اس وقت پیدا ہوئے جب قوم علم و عمل کے زہرہ گداز

مرحلوں سے گذر کر قول و نظر کے بیکراں جمود میں غرق تھی یا اس وقت ظاہر ہوئے کہ سب طرف جہالت کی بدلیاں گھر کر نسیان کی ظلمتیں پیدا کر رہی تھیں۔

ہر مقتدر شاعر کا زمانہ جمود کا دور ہوتا ہے!

علامہ مشرقی مقتدر شاعروں کے دور اور ان کی شاعری پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

سعدی وعظ گو تھا مگر قوم کے عام انحطاط کی تاریخ اس کے ہر وعظ سے نمایاں ہے۔ حافظ تغزل پسند تھا مگر تغزل کے پیرائے میں نوحہ گر تھا اور ہر غزل اس امر کی دلیل ہے کہ امت اپنا اکثر علم و اخلاق کھو چکی تھی۔ شکسپیر کی تصانیف سے اس کے اپنے عہد کے اخلاقی انحطاط کا مکمل مرقع تیار ہو سکتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ انگلستان عجب واہیات میں پڑا تھا۔ ہومر رزم نویس تھا مگر اس وقت جبکہ قوم اپنی رزمی خصوصیات کو خیرباد کر چکی تھی۔ غالب کی تمام شاعری نظری ہے مگر اس کا نظری ہونا ہی اس امر کی شہادت ہے کہ قوم کے اندر کوئی مستقل ہیجان، کوئی ہاتھ پاؤں کا عمل موجود نہ رہا تھا حتیٰ کہ خود بادشاہ وقت نے تلوار چھوڑ کر شاعری قبول کر لی تھی۔ امراء القیس کے زمانے کی تاریکی ضرب المثل ہے، صرف شجاعت کی لن ترانیاں اس عہد کے اشعار میں کہیں کہیں باقی ہیں۔ الغرض جس مقتدر شاعر کے زمانے کی طرف نظر دوڑائی جائے، جمود اور عصیان، نسیان درس اور قساوت قلب کا سماں موجود نظر آتا ہے۔"

شاعر اور عالم کا عہد ظہور!

شعر و شاعری اور شاعروں پر تنقید کے ساتھ المشرقی اس دیباچہ میں یہ بتاتے ہیں کہ شاعر اور عالم کا عہد ظہور اکثر ایک ہی رہا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

"اس میں شک نہیں کہ شاعر اور عالم کا عہد ظہور اکثر اوقات توام رہا ہے۔ جب

جب کوئی قوم ظلمت کے قعر عمیق تک پہنچ چکی، کوئی نہ کوئی صاحب علم شخص بھی منصہ شہود پر جلوہ گر ہوا، کوئی نبی نبوت سے مشرف ہوا، کسی حقیقت شناس نے رہنمائی کر دی، شاعر کے شعر کے ساتھ ساتھ عالم کا علم بھی ہویدا ہوا اور ظلمت شب کو پردے کی مانند اٹھا کر لے گیا۔ شکسپیر کے عہد میں بیکن نے راہ دکھلائی تو امرء القیس کے بعد آفتاب رسالت ﷺ کا طلوع ہوا، مگر ایک قرن میں ایک جماعت کے اندر یہ قران ضدین اکثر اس وجہ سے ہوتا رہا کہ ان دونوں قطع کے مشاہیر کا لگاؤ جاہلیت کے زمانے سے طبعی ہے۔ شاعر اگر اس زمانے کی ظلمت کا آغوش پروردہ بن کر پیارا بن جاتا ہے تو عام اس شب دیجور کا طلیعہ مقصود بن کر چمک اٹھتا ہے۔ لوگ غلطی سے ان کے درمیان مناسبت یا مماثلت پیدا کرنے کی سعی کرتے ہیں مگر دراصل ان کی باہمی مخالفت آگ اور پانی، رات اور دن، اندھیرے اور اجالے کے تضاد سے کسی طرح کم نہیں ہوتی۔"

المشرقی شاعروں کو جمود و سکون کی ظلمت کی آغوش کا پروردہ سمجھتے ہیں، ان کے نزدیک عالم افراد اور اقوام عالم ہوتی ہیں اور اپنے علم و عمل کے باعث وہ شعر سے فی الجملہ احتراز برتتی ہیں۔ یورپ کے قیام میں اپنا مشاہدہ بیان کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:۔

> "مغرب کے تمدن اور عمران میں شعر کہیں نظر نہیں آتا، شعراء کی انگلستان میں بے قدری، یورپ کا علم و عمل سے شغف، اس قوم کی حیرت انگیز تگ و دو، ان کا کارگاہ فطرت سے عشق، ان کا اشیائے کائنات سے حیرت انگیز طلب عمل، ان کی قانون خدا سے بڑی باخبری، ان کے اعمال کی دین اسلام کے احکام سے مماثلت، الغرض اس علم اور حکم اور نبوۃ کو دیکھ کر شعر سے بیزار ہو گیا۔"

علامہ اقبال کی شعر سے بیزاری!

علامہ اقبال بھی اپنے لندن کے قیام کے دوران شعر و شاعری سے بیزار ہو گئے تھے۔ شیخ عبدالقادر ایڈیٹر مخزن بانگ درا کے دیباچہ میں لکھتے ہیں:۔

"۱۹۰۵ء سے ۱۹۰۸ء تک اقبال کی شاعری کا ایک دوسرا دور شروع ہوا۔ یہ وہ

زمانہ ہے جو انہوں نے یورپ میں بسر کیا۔ گو وہاں انہیں شاعری کے لئے نسبتاً کم وقت ملا اور ان نظموں کی تعداد جو وہاں کے قیام میں لکھی گئی تھوڑی ہیں مگر ان میں ایک خاص رنگ وہاں کے مشاہدات کا نظر آتا ہے اس زمانے میں دو بڑے تغیر ان کے خیالات میں آئے۔ ان تین سالوں میں سے دو سال ایسے تھے جن میں میرا بھی وہیں قیام تھا اور اکثر ملاقات کے موقع ملتے رہتے تھے۔ ایک دن شیخ محمد اقبال نے مجھ سے کہا کہ ان کا ارادہ مصمم ہو گیا ہے کہ وہ شاعری کو ترک کر دیں اور قسم کھالیں کہ شعر نہیں کہیں گے اور جو وقت شاعری میں صرف ہوتا ہے اسے کسی اور مفید کام میں صرف کریں گے۔ میں نے ان سے کہا کہ ان کی شاعری ایسی نہیں ہے، جسے ترک کرنا چاہئے۔ بلکہ ان کے کلام میں وہ تاثیر ہے جس سے ممکن ہے کہ ہماری درماندہ قوم اور ہمارے کم نصیب ملک کے امراض کا علاج ہو سکے، اس لئے ایسی مفید خداداد طاقت کو بے کار کرنا درست نہ ہوگا۔ شیخ صاحب کچھ قائل ہوئے کچھ نہ ہوئے اور یہ قرار پایا کہ آرنلڈ صاحب کی رائے پر آخری فیصلہ چھوڑا جائے۔ اگر وہ مجھ سے اتفاق کریں تو شیخ صاحب اپنے ارادہ ترک شعر کو بدل دیں اور اگر وہ شیخ صاحب سے اتفاق کریں تو ترک شعر اختیار کیا جائے۔ میں سمجھتا ہوں کہ علمی دنیا کی خوش قسمتی تھی کہ آرنلڈ صاحب نے مجھ سے اتفاق رائے کیا اور فیصلہ یہی ہوا کہ اقبال کے لئے شاعری کو چھوڑنا جائز نہیں اور جو وقت وہ اس شغل کی نذر کرتے ہیں وہ ان کے لئے مفید ہے اور ان کے ملک و قوم کے لئے بھی مفید ہے۔ ایک تغیر جو ہمارے شاعر کی طبیعت میں آیا تھا اس کا تو یوں خاتمہ ہوا مگر دوسرا تغیر ایک چھوٹے سے آغاز سے ایک بڑے انجام تک پہنچا۔ یعنی اقبال کی شاعری نے فارسی زبان کو اردو زبان کی جگہ اپنا ذریعہ اظہار خیال بنا لیا۔"

سر شیخ عبدالقادر ایڈیٹر مخزن کے تحریر کردہ بانگ درا کے اس دیباچہ کے مندرجہ بالا اقتباس سے معلوم ہوتا ہے کہ اقبال نے شاعری کو ترک کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا تھا۔ کسی چیز کے چھوڑنے کا پختہ ارادہ انسان اسی وقت کرتا ہے جب اس پر اس چیز کی برائیاں اس کی خوبیوں کی نسبت زیادہ واضح ہو جاتی ہیں، جو مسلسل غور و فکر کا نتیجہ اور اپنے اردگرد کے ماحول کے مشاہدہ کا ماحصل ہوتا ہے اس مصمم ارادہ کو مزید مضبوط

بنانے کے لئے اقبال چاہتے تھے کہ وہ قسم کھالیں کہ شعر نہیں کہیں گے اور جو وقت ان کا شاعری میں صرف ہوتا ہے اسے کسی اور مفید کام میں استعمال کریں گے۔ اقبال کے ترک شعر کے ارادہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ وہ شاعری کو مفید کام نہیں سمجھتے تھے اور شعر گوئی پر ان کا جو وقت صرف ہوتا تھا وہ اسے وقت کا ضیاع سمجھتے تھے۔ شاعری پر وقت صرف کرنے سے یہ بھی واضح ہوجاتا ہے کہ جو یہ کہا جاتا ہے کہ ان پر غضب کی آمد ہوتی تھی اور ایک ایک نشست میں بے شمار شعر ہوجاتے ایک مبالغہ آمیز بات ہے۔ اتنی غضب کی آمد والا شاعر کتنا بھی چاہے اس آمد کو روک نہیں سکتا۔ خواہ وہ کتنے عزم و حوصلہ والا آدمی ہی کیوں نہ ہو اور کتنا ہی مضبوط اور پختہ ارادہ کیوں نہ باندھ لے اور اپنے مصمم ارادہ پر قسم اٹھا کر خدا کو بھی کیوں نہ گواہ ٹھہرالے!

اقبال شاعر تھے۔ وہ شعر کہتے تھے۔ شعر گوئی میں ان کا ارادہ بھی شامل ہوتا تھا جس کے لئے آمد اور آورد دونوں کی بطور شاعر ان کو ضرورت پڑتی تھی۔ ہر شاعر کی طرح، ہر ایک کا الگ مشاہدہ ہونے کے باوجود، ان کی اس ضرورت کو نظرانداز نہیں کیا جاسکتا اور اس بات سے بھی صرف نظر نہیں کیا جاسکتا کہ شعر گوئی میں ان کا وقت بھی صرف ہوتا تھا۔ اپنے قیام یورپ کے دوران انہوں نے مغربی اقوام کو ہمہ تن اور ہر وقت کام میں مشغول پایا۔ شعر گوئی انہیں کار بے کاراں نظر آئی تو انہوں نے شاعری کو ایک بے کار شغل (ہابی) جان کر اسے چھوڑ دینے کا ارادہ کرلیا کہ اس قیمتی وقت کو دوسرے مفید کاموں میں صرف کیا جاسکے۔ لیکن عین وقت پر آرنلڈ صاحب نے اپنے مشورہ سے ایک قیمتی انسان کی قیمتی صلاحیتوں کو اس کی قوم اور ملک کے لئے کارآمد ہونے سے روک دیا۔ آرنلڈ صاحب کے اس مشورہ سے کہ شاعری اقبال اور ان کے ملک و قوم کے لئے مفید ہے، انگریز کی مسلمان قوم سے "حقیقی محبت" کا اظہار بھی ہوجاتا ہے!

اقبال کی شاعری پر جرح و قدح

اقبال نے شاعری کی قدر و قیمت جانتے ہوئے اپنے کئی اشعار میں خود بھی اس کو لتاڑا ہے۔ شاعری پر سخت جرح و قدح کی ہے اسے شغل تن آسانی سمجھا جو تن آسانوں

کے ہی کام آیا ہے۔

شاعری ترک کرنے کے ارادہ سے قبل وہ شعر کے اعجاز سے سونے والوں کو جگانا چاہتے تھے۔

سونے والوں کو جگادے شعر کے اعجاز سے
خرمن باطل جلادے شعلہ آواز سے

اسی سوز، اسی لے اور اسی ولولہ میں وہ شاعر کو قوم کا ہمدرد و غم گسار سمجھتے ہوئے کہتے ہیں:۔

قوم گویا جسم ہے، افراد ہیں اعضائے قوم
منزل صنعت کے رہ پیما ہیں دست و پائے قوم
محفل نظم حکومت، چہرہ زیبائے قوم
شاعر رنگین نوا ہے دیدہ بینائے قوم
مبتلائے درد کوئی عضو ہو، روتی ہے آنکھ
کسقدر ہمدرد سارے جسم کی ہوتی ہے آنکھ

اور جب انہیں اس حقیقت کا ادراک ہوا کہ مضمحل، ناتواں، کمزور، نڈھال، غلامی میں پلی اور اس سے مانوس قوم شعر کے اعجاز سے بیدار نہیں ہو سکتی اور نہ ہی خرمن باطل کو شعلہ آواز سے جلایا جا سکتا ہے۔ اس کے لئے تو پیہم عمل، ہمہ گیر انقلابی حرکت اور نظم وضبط سے مسلسل جدوجہد کی ضرورت ہے تو انہیں شعر و شاعری ایک بے کار شغل معلوم ہوئی اور انہیں احساس ہوا کہ شعروشاری کا کام قوم کے دکھ درد کو دور کرنا تو نہیں ہے بلکہ اس دکھ درد بر نالہ و شیون وہائے وائے کرنا اور رونا دھونا ہے۔ لہو رو رو کے محفل کو گلستاں بنانے کی نری آرزوئیں ہیں اور اسی آرزو میں وہ پکار اٹھتے ہیں۔

راز حیات پوچھ لے خضر خجستہ گام سے
زندہ ہر ایک چیز ہے کوشش ناتمام سے

اور پھر وہ مدیر مخزن کو یہ پیغام بھجواتے ہیں۔

مدیر مخزن سے کوئی اقبال جا کے میرا پیغام کہہ دے
جو کام کچھ کر رہی ہیں قومیں، انہیں مذاق سخن نہیں ہے

امت کے گورکن

علامہ مشرقی شاعروں کے بارے میں لکھتے ہیں:-

"میں ہر رطب و یابس شاعر کو امت اسلام کا گورکن سمجھتا ہوں۔ میرا یقین ہے کہ وہ شعر کہہ کر اور دل کے سطحی جذبات کو بھڑکا کر امت کے کسی عضو کو معطل کر رہا ہے، جمود اور ناکارہ پن کا سبق دے رہا ہے، نوحوں اور مرثیوں کا مکر کر کے سعی و عمل سے بھاگ رہا ہے، خلق خدا کو دھوکہ دے رہا ہے، سوتوں کو اور سلا رہا ہے۔" (دیباچہ خریطہ)

المشرقی منہ سے کہنے اور پھر اس کہے ہوئے پر عمل نہ کرنے کو خدا سے مکر و فریب گردانتے ہیں۔ خدا کے نزدیک اسی قول کی اہمیت ہے جس پر عمل ہو رہا ہے۔ دن رات عمل ہو رہا ہے۔ پیہم اور متواتر عمل ہو رہا ہے۔ اس ہمہ وقت عمل کے ہوتے ہوئے پھر قول کی بھی ضرورت نہیں۔ وہی لوگ اسلام کے صحیح معنوں میں دعوے دار ہیں جو ہر لمحہ عمل میں مصروف ہیں۔ وہ کہتے ہیں۔

"میرے نزدیک باعث عزت آج وہی اشخاص ہیں جو کام کر رہے ہیں۔ اپنے تن بدن کو تکلیف میں ڈال کر قوم کو بہتر بنا رہے ہیں۔ کڑیاں جھیل جھیل کر امن، دولت، عزت، حکومت کی سبیل پیدا کر رہے ہیں وہی صحیح معنوں میں اسلام کے دعویدار ہیں۔" (خریطہ)

شاعر اور عالم

علامہ مشرقی شاعر کے مقابلے میں عالم کی مثال پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

"عالم اور عامل قومیں شعر سے فی الجملہ نا آشنا ہوتی ہیں، ان کے ہاں جوں جوں علم کی روشنی بڑھتی جاتی ہے، ہاتھ اور پاؤں کا عمل پیدا ہوتا جاتا ہے۔ قانون خدا سے واقفیت ان کے اعضاء میں اضطراب و تحرک کی

ایک لہر دوڑا دیتی ہے۔ وہ اس بات کے درپے رہتے ہیں کہ ارض و سماء کے اس حیران کن کارخانے کے اندر کچھ کر دکھائیں، کوئی نتیجہ خیز بات ہو، کچھ زمین کے کسی حصے پر چھاپہ ماریں، کسی دوسری قوم کو محکوم بنائیں، کہیں دولت پیدا ہو، کچھ علم میں، حکم میں، خبر میں، تجارت میں ترقی ہو۔ سر بفلک عمارتیں ہوں، عظیم الشان ایجادات کی جائیں۔ یہی ایک ہیجان ان کے دلوں کو ہر وقت گرماتا رہتا ہے۔ کر دکھانے کی بجائے کچھ کہہ دینے کا خیال ان کو اکثر نہیں گذرتا، وہ سمجھتے ہیں کہ اس دنیا کے اندر جو شے نتیجہ خیز ہے عمل ہے، قول بہر نوع کچھ نہیں۔ جو شخص عمل پر قادر ہے اس کے لئے کہنا عبث ہے، اور قول بے عمل تو بہر حال ایک بادر ہوا شئے ہے جس کی اس کارگاہ سعی و عمل میں کچھ وقت نہیں۔"

(خریطہ)

علامہ اقبال اپنے خطوط میں شعر، شاعر اور شاعری پر اس بلاخیز اور محشر برپا کرنے والے دیباچہ پر کھل کر کچھ نہ کہہ سکے۔ انہوں نے اتنا ہی لکھنے پر اکتفا کیا کہ مصنف نے شاعری پر بڑی جرح قدح کی ہے اور شاعری کی خوب خبر لی ہے۔

شاعر بے عمل ہوتا ہے!

المشرقی کہتے ہیں کہ "صحیح معنوں میں شاعر جہاں کہیں پیدا ہوا ہے بے علم و عمل پیدا ہوا ہے۔ وہ بے علم اس لئے ہے کہ علم شعر کے لباس کو قطعاً قبول نہیں کر سکتا۔ جو شے فی الحقیقت علم ہے وہ شعر قطعاً نہیں گو اس کی عبارت موزوں ہی کیوں نہ ہو گئی ہو اور جو شے فی الحقیقت شعر ہے اس کے اندر علم کا ہونا از بس محال ہے، وہ بے عمل اس لئے ہے کہ اس دنیا میں عمل، علم اور صرف علم سے پیدا ہوتا ہے اور شعر ہر وقت اور بہر نوع عمل کا قطعی مخالف رہا ہے۔ شاعر قوم کے عام انحطاط کی صرف ایک زندہ تصویر ہے، وہ اس کی واماندگیوں کا ایک وقتی اور مقامی مجسم ہے، اس کے جذبات کے ہبوط کا سچا ترجمان، اس کی آہوں اور کراہوں کا مضراب ساز، اس کی بے ہوشیوں اور غفلتوں

کا جہاں نما جام، اس کی لاطائل حسرتوں کا سچا مورخ، اس کی سعی بے حاصل کا صحیح مخبر، اس کی شہوات اور لذات کا طبل پر ہنگام، اس کی طفلیانہ خودنمائیوں کا عکس آئینہ اور اس کی سلب شدہ عظمت کا سچا نوحہ گر ہے۔ وہ آپ اپنے زمانے کے رنگ میں رنگا ہوتا ہے، جس رنگ ڈھنگ میں امت ہو اس کو فوراً قبول کرلیتا ہے، جو آہ، جو ارمان، جو چیخ، جو قہقہہ، جس کار فرمائی، جس ناکارہ پن میں قوم گرفتار ہو اسی کو اختیار کرلیتا ہے اور اسی کو ماحول کی رونق بڑھانے کے لئے اپنے ارغنوں کی تاریں کس لیتا ہے۔"

شاعر کی بے عملی کو مزید اجاگر کرتے ہوئے مشرقی کہتے ہیں:-

"وہ جس رنگ میں ظاہر ہوتا ہے اکثر بے عمل ہوتا ہے، بے اثر ہوتا ہے، ناکار فرما، نارہ نما اور ناکار کن ہوتا ہے، جذبات کے اظہار میں بے عمل، منطق اور دلیل میں بے عمل، کار فرمائی میں بے عمل، چارہ گری میں بے عمل، حتیٰ کہ اکثر اوقات عشق و تغزل میں بے عمل، نوحہ گری اور قہقہ خیزی میں بھی بے عمل ہوتا ہے۔ آپ روتا نہیں مگر اوروں کو بے محابا رلادیتا ہے۔ روتا ہے مگر دل میں ہنستا جاتا ہے، ہنستا ہے مگر دل کے اندر متانت اور روکھا پن موجود ہے۔" (خریطہ)

عالم باعمل ہوتا ہے!

شاعر کا عالم سے موازنہ کرتے ہوئے المشرقی کہتے ہیں:-

"عالم باعمل یا نبی برخلاف اس کے جب ظاہر ہوا ہے اپنے زمانے کے سمت تخیل اور رو کے خلاف ظاہر ہوا ہے۔ وہ اپنے ساتھ علم و خبر لاتا ہے، قوم کی بیماریوں کی اٹل اور حکمی دوا لاتا ہے، قانون خدا کا ایک جزو مہم لاتا ہے۔ امت کو آسمان تک اٹھا دینے کا بیرم لاتا ہے۔ پوری قوم سے دشمنی مول لینے کا سامان لاتا ہے، غلط تخیل اور غفلت کی عظیم الشان عمارت کو ڈھادینے کا کدال لاتا ہے۔ مخالفت سے بے پرواہی اور قوم کی بہتری کا سچا درد اس میں ہروقت موجود ہے، وہ اکثر کسی مخیم یا

دلچسپ تصنیف کا مصنف نہیں ہوتا، کسی بڑے محرر یا مقرر بننے کا شوق نہیں رکھتا، لسانی اور چرب زبانی سے بہرنوع متنفر، کلام میں مختصر، تحریر میں مجمل بلکہ بسااوقات بلیغ اور معلق، تقریر میں سادہ اور کم گو اور خیالات کے اظہار میں شعرو فصاحت کے اعتبار سے پریشان اور بے ربط نظر آتا ہے۔ علم کا تبحر، عمل کا اضطراب اور حقائق کا ہجوم اس کو اس امر کی فرصت نہیں لینے دیتے کہ وہ اپنی تحریر و تقریر کے اندر شاعرانہ دل آویزی یا دلفریب موزونیت پیدا کرے۔ وہ جو کہتا ہے کر دیتا ہے اور کیے جاتا ہے اور اسی کیے جانے کے اندر اس کے کہے کے اثر کا راز مضمر ہے۔" (خریطہ)

عالم کے عمل کا عوام پر اثر!

عالم یا نبیؐ کے اس شبانہ روز عمل کا عوام پر اثر کا ذکر کرتے ہوئے مشرقی کہتے ہیں:

"لوگ اس کی شبانہ روز تکلیف برداری کو دیکھ کر آپ تکلیف اٹھانے کے لئے مستعد ہو جاتے ہیں اور چونکہ وہ خود ایک مزدور بے مزد ہے لا اسئلکم علیہ من اجر کی شان رکھتا ہے، کسی دنیاوی حاکم کا محکوم نہیں بلکہ اپنے بے مزد عمل سے کسی غائب وجود اور منعم بے حساب کے ملازم ہونے کی گواہی دے رہا ہے، شاہد عامل ہے، خوش دل مزدور اور بے اجر مکلف ہے، شاعر کی واہ واہ کے بالمقابل کڑیاں جھیلتا جاتا ہے اس لئے لوگ اس شہادت کو پاکر اس سے یکسر متاثر ہو جاتے ہیں، پروانہ وار سب طرف سے اکٹھے ہو کر اس شمع سوز و گداز پر اپنی جانیں قربان کر دیتے ہیں! یہی قومی زندگی کی سچی علامت، اور عروج کا سچا منظر ہے۔ شاعر اور نبیؐ میں فرق صرف نوع اور جنس ہی کا فرق نہیں، فرش اور عرش کا فرق ہے، بعد آسمان کا فرق ہے، جماد اور انسان کا فرق ہے، وہاں تحسین اور آفرین کی لذت حرکت دے رہی ہے، یہاں تکلیف اور

مخالفت سے عشق ہے، وہاں آرام یابی کا شیوہ زنان ترنم پیدا کر رہا ہے، یہاں کڑیاں جھیلنے کی مردانگی سرچڑھ بول رہی ہے، وہاں قول ہی قول ہے یہاں نرا عمل ہے، وہاں گفتگو کا سلیقہ، پیش نہاد اور عمل، منطق اور نتیجہ، واقع الامر اور علیت سب کچھ کو قربان کر رہا ہے، یہاں ایک نصب العین کی دھن اعضا کو حرکت دے رہی ہے۔ عالم اور نبی بلاشبہ ایک ہی جنس سے ہیں۔ ان کے مابین صرف درجہ اور مقدار، صرف وسعت نظر اور استعداد عمل کا فرق ہے۔ عالم باعمل ممکن ہے کہ اپنے اندر نبوت کا شائبہ قلیل رکھتا ہو، نبی کی نبا عظیم کا ایک جزء لا یتجزی اس کے مزلزل الارض عمل کا ایک جزو حقیر اپنے میں بطور وراثت پا رہا ہو مگر شاعر کو علم و خبر سے قطعاً کچھ مناسبت نہیں۔ جس قوم کے اندر وہ پیدا ہو گیا ہے اس قوم کے علم میں کسر رونما ہو چکی ہے، اعضاء میں انحطاط، خیال میں انقلاب، نصب العین میں تشتت، اذہان میں طوائف الملوکی، نظم و نسق میں شکست اس امت کے اندر جاگزیں ہو چکی ہیں۔"

(خریطہ)

شعروشاعری اور شاعروں کے متعلق ان خیالات کا مبرہن اظہار المشرقی ہی کر سکتے ہیں۔ خصوصاً ایک ایسی قوم میں شعروشاعری کے ڈھول کا پول کھولنا جہاں قوم کے اکثر افراد کو افیون کی طرح شاعری کی لت پڑ چکی ہو بڑے ہی دل گردے کا کام تھا۔ جبکہ المشرقی ابھی ابھی چھتیس برس کے جوان ہیں، ان کا کوئی سیاسی مقام بھی نہیں حکومت ہند اور برٹش امپریلزم کے معتوب ہو چکے ہیں۔ صرف تذکرہ کی خاموش اشاعت اور نشر و تبلیغ سے وہ ایک عالم کی حیثیت سے کچھ نہ کچھ متعارف ہو چکے ہیں، وہ قومی اخلاق کی اس پست منزل اور اجتماعی انحطاط کے دردناک منظر سے جرات مندانہ طریقے سے نقاب اٹھاتے ہوئے لکھتے ہیں:-

قومی اخلاق کی پست منزل

"لیکن قومی اخلاق کی سب سے پست منزل اجتماعی انحطاط کا وہ درد انگیز منظر ہے جبکہ افراد سے گذر کر پوری امت شعر کہنے کے مرض میں گرفتار ہو جاتی ہے۔ ہر گھر ہر محلے اور ہر شہر میں شعر کے موسمی حشرات الارض پیدا ہو جاتے ہیں، ہر متنفس قافیہ پیمائی اور لغو رانی کا چھیر زپیکر بن کر قومی علم ادب کو سنگ و سفال سے زیادہ بے وقعت کر دیتا ہے۔ وہ علم وادب جس کے الفاظ کی جلا میں، جس کے تخلیل کی متانت اور حسن ادا کے اسالیب میں بسا اوقات قومی اخلاق کی تصویر ہو بہو نظر آتی ہے، ناشناس کا تختہ مشق بن بن کر اور نااہل کے ہاتھوں دستمال ہو ہو کر سوقیانہ بلکہ سفیہانہ رنگ لے لیتا ہے، پھر وہی رہی سہی عصبیت بھی جو افراد کے دل میں زبان کی عالی خیالی اور خیالات کے سمو کی وجہ سے جاگزیں ہوتی ہے ماند پڑ جاتی ہے اور اس قوم کی پیشانی سے اس کے ذاتی تشخص کا آخری امتیازی نشان مٹ جاتا ہے۔ شعر و سخن کی یہ جمہوری حکومت ذوق سلیم کے لئے زہر قاتل ہونے کے علاوہ امت کے قلب سلیم کے لئے ازبس مہلک ہے۔"

شعر گوئی کا انجام

گھر گھر بیت بازی اور شعر نوازی کی ہلاکت آفریں منظر کشی کے بعد اس کے دردناک انجام سے المشرقی یوں آگاہ کرتے ہیں:-

"شعر کا پیدا کیا ہوا نسیان درس ہر فرد کی رگ رگ میں صلادت اور تساہل بھر دیتا ہے۔ سب قوم اصلاً بے عمل ہو جاتی ہے، سب اقوال بے نتیجہ اور بے اثر بن جاتے ہیں۔ شاعر کے لئے کسی مستقل نصب العین کا ہونا چونکہ ازبس دشوار ہے اس لئے شعر کی بھول بھلیوں میں پھنس کر امت کا نامراد اور بے فکر ہو جانا قطعی ہے، بے نتیجہ نوحے، بے اثر آہ

وزاریاں، عورتوں کے شیون، حسن و عشق کے افکار، بے سبب غلو، کذب و دروغ سے شغف، سعی بے حاصل کی خلش، آہیں اور کراہیں، نادست رسیدہ ارمان اس قوم کا شعار بن جاتے ہیں۔ ایسی جماعت کی ہلاکت اس کارگاہ سعی و عمل میں طے شدہ امر ہے گو کہ اس کے افراد اس موت کو بکر کے باعث نہ دیکھ سکیں۔" (خریطہ)

شاعروں کے دست نارسیدہ ارمانوں، ان کے کہے ہوئے بے اثر اقوال،

و حسن و عشق کے افکار، ان کے بے نتیجہ نوحوں اور شکوؤں کے سائنسی تجزیہ نے شاعروں کے اندر ہلچل پیدا کر دی، ہندوستان بھر کے چوٹی کے شعراء میں ایک بھی مرد میدان نہ نکل سکا جو مشرقی کی پیدا کی ہوئی اس بربادی پر حرف زنی کر سکے۔ آگ اندر ہی اندر سلگ کر خود ہی بجھ گئی۔ کئی شعراء اور ملک الشعراء حضرات نے علامہ اقبال کی مانند محض خط و کتابت سے دل کے ارمان ضرور نکالے لیکن المشرقی کے خریطہ کا جواب کسی طرف سے نہ آیا۔

اسرار خودی کی مخالفت میں طوفان!

علامہ اقبال کی "مثنوی اسرار خودی" کے متعلق ان کے بھتیجے اعجاز احمد بیان کرتے ہیں۔ "۱۹۱۵ء میں جب اسرار خودی شائع ہوئی تو اس کا ایک نسخہ علامہ نے اپنے والد کی خدمت میں بھیجا، جسے وہ عام طور پر صبح کے وقت بڑے شوق کے ساتھ پڑھا کرتے تھے۔ اس مثنوی میں علامہ نے حافظ شیرازی پر ۳۵ شعروں میں کڑی تنقید کی تھی اور اس کے مقابلے میں عرفی کو سراہا تھا۔ یہ مثنوی جب چھپ کر منظر عام پر آئی تو اس پر بڑی لے دے ہوئی۔ خاص طور سے صوفیوں کے حلقوں میں مخالفت میں مضامین شائع ہوئے۔ بعض ناقدین نے اعتراض کو یہ رنگ تک دے دیا کہ اس مثنوی کا مصنف مسلمان کو مغربی خیالات و افکار سکھاتا اور ان کو فرنگیت کے رنگ میں رنگنا چاہتا ہے۔ ایک پیرزادہ صاحب (پیرزادہ خان بہادر احمد فضلی) نے "زاد بے خودی" کے نام سے ایک جوابی مثنوی چھپوائی، جس میں علامہ کو جی بھر کر برا بھلا کہا گیا۔ صرف ایک شعر سے اس مثنوی کے لہجے کی تلخی، انداز بیان کی درشتی اور تنقید کی شدت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

؎ بندہ دنیا بہ دنیا دیں فروش
سربسر ملت فروش، آئیں فروش

اقبال ۱۰ اکتوبر ۱۹۲۴ء کو خط میں چوہدری محمد حسین کو لکھتے ہیں:۔

"عجمی شاعروں پر مجھ سے پہلے مولانا حالی حملہ کر چکے ہیں۔ البتہ میں نے جو حملہ کیا

اس میں گہرائی زیادہ ہے اور یہ حملہ تصوف کے بعض سکولوں کی شاعری پر خاص طور پر کیا گیا تھا اس میں بھی انہوں نے (مشرقی) نے میری ہی تقلید کی ہے مگر چونکہ لٹریچر کے نفسیاتی احساس ادا جس کے اثرات سے وہ پورے طور پر آگاہ نہیں اس واسطے وہ اغلاط میں مبتلا ہو گئے اور لٹریچر کو کلیتاً فضول سمجھنے لگے۔"

علامہ اقبال نے "اسرار خودی" کے پہلے ایڈیشن میں شاعری پر نقد و نظر کے طور پر اردو میں ایک دیباچہ بھی شائع کا تھا حافظ شیرازی کے خلاف لکھے گئے ۳۵ اشعار کی طرح اس دیباچہ کو بھی ان کے "اسرار و رموز" کے دوسرے ایڈیشنوں یا دیگر مجموعہ ہائے کلام کی زینت بننا نصیب نہ ہوا۔

علامہ مشرقی نے جیسا کہ اوپر کے صفحات میں گذر چکا ہے، عجمی شاعری پر ہی نہیں بلکہ عربی شاعروں پر بھی تنقید کی ہے۔ انہوں نے دنیا بھر کی اقوام کی بہترین شاعری کی تاریخ کو اس قوم کی پستی اور انحطاط کی تاریخ نہ صرف کہا ہے بلکہ دلیل و برھان اور علم و منطق کی زبان میں اپنا ما فی الضمیر پوری طرح ادا کیا ہے، انہوں نے ہر بات لگی لپٹی رکھے بغیر کہی، شاید اسی صاف گوئی کے لئے اقبال کو اپنے خط میں کہنا پڑا کہ "مشرقی لٹریچر کے نفسیاتی احساس ادا کے اثرات سے پوری طرح آگاہ نہیں اس لئے وہ اغلاط میں مبتلا ہو گئے اور لٹریچر کو کلیتاً فضول سمجھنے لگے۔"

علامہ مشرقی لٹریچر کے نفسیاتی احساس ادا کے اثرات سے آگاہ نہ ہوتے تو لٹریچر کی پیدا کی ہوئی خرابیوں کو کس طرح آشکار کر سکتے تھے اور ان خرابیوں کے اثرات سے امت مسلمہ جس طرح مضمحل، کمزور و ناتواں ہو گئی تھی ان کی نشاندہی کیونکر ممکن تھی! انہوں نے اپنے انہی اقوال کو بعد میں عمل کے رنگ میں رنگ کر پشاور سے راس کماری اور کراچی سے رنگون تک حرکت و عمل کا ایسا انقلاب پرور منظر پیدا کر دیا تھا جسے دوبارہ دیکھنے کو آنکھیں ترس گئی ہیں۔ المشرقی نے چھ سو صفحات پر تذکرہ پیش کر کے عملاً لٹریچر کی افادیت کو ثابت کر دیا تھا اور بتا دیا تھا کہ ادبیات عالیہ کے نفسیاتی احساس ادا کے عمدہ اثرات، اور اسی کے برعکس ادبیات ادنیٰ کے قوموں کے حریت کش اثرات سے وہ پوری طرح باخبر ہیں۔

تصوف، شاعری اور موسیقی!

علامہ مشرقی شاعری، تصوف اور موسیقی کو گوشت پوست اور ناخن کی طرح ایک دوسرے کے لئے لازم وملزوم سمجھتے ہوئے لکھتے ہیں!

"کچھ کم ایک صدی کی مدت میں جب اسلام مختلف فرقوں میں تقسیم ہوگیا......... تو فرقہ صوفیاء نے قرآن حکیم کے اسی توحید کو عیاں کردینے والے ٹکڑے والذی امنوا اشد حبا للہ کو لیا ان الفاظ الٰہی کو غلط زاویہ نگاہ سے دیکھ کر خدا سے عاشقانہ محبت کرنے لگے، اس کا تصور معشوقوں کی طرح دل میں باندھا، گھونگھٹ لیکر اعتکاف خانوں میں بند ہوگئے، عاشقوں کی طرح سوزوگداز پیدا کیا۔ آہیں اور کراہیں، مجنونانہ ولولے، بکاء تعزیت، الغرض تعشق کے سب لازمات جمع کردیئے، سب ماسوا کو یک قلم اور بے سعی مرام چھوڑ دیا، دنیا کی "متاع قلیل" پر ایسی بے طرح لات ماری کہ مصلاؤں پر ہوش سنبھالی، مصلاؤں پر بڑے ہوئے اور مصلاؤں پر مرے! آرام پسندی اور جمود کی یہ وہ نفس فریب ہیئت تھی کہ لوگوں نے اس تخیل کو شوق سے لیا، تسبیحوں کو لے کر رام رام جپنا، جہاد بالسیف اور ترک وطن، اطاعت امیر اور اتحاد امت کی مشکلات سے بدرجہا آسان نظر آیا، تیغ وخدنگ کی چبھتی ہوئی اور تکلیف دہ نوک کو تاویل کے بے دھڑک قطع و برید کرنے والے پتھر پر رگڑ کر جہاد کے معنی کوئی "روحانی مجاہدے" بنالئے۔......... عبادت سے مراد وہی تعزل اور تعشق کی آرام دہ صورت لے لی! اس غلو فی الدین اور افراط و تفریط کا نتیجہ شدہ شدہ یہ ہوا کہ وراثت زمین اور دنیا میں اعلون بن کر رہنے کا نصب العین مسلمانوں کی نگاہوں سے قطعاً اوجھل ہوگیا۔ ملک یک بیک چھنتے گئے، ثغور اسلام تنگ ہوگئے، ذل و مسکنت کا ماحول سب طرف پیدا ہوگیا، حجروں میں آنکھیں بند کرکے بیٹھ رہنے کا شیوہ زنان سیف زن مسلمانوں نے مذہباً اختیار کرلیا، نگاہیں سعی و عمل کے بلند مرتبے سے گر کر جبن واعتقاد کی ادنیٰ سطح پر جم گئیں! بے عملی کی ان ناکارہ برآور اور بے نتیجہ حالت میں عشق خدا کے اظہار کا شعر میں مبدل ہوجانا طبعی امر تھا۔ ایک ایجاب و قبول سے عاری اور نامستجاب عشق کے مریل اور کمزور جذبے کو بھڑکانے، اور دل کے اندر اس کی بجھتی ہوئی چنگاری

کو گرم رکھنے کے لئے کسی بیرونی محرک کی طبعی ضرورت تھی۔ شعر سے بہتر اس نظری اور قولی عشق کو زندہ رکھنے کی کوئی ترکیب نہ تھی۔ اس کا نتیجہ بالآخر یہ ہوا کہ صوفیا کا سارا ایمان و یقین شعر میں منتقل ہوگیا۔ ولولہ انگیز غزلیں اور ہوشربا قوالیاں اور نعتیں خدا کی اس قولی توحید اور رسول کے اس قولی ایمان پر لکھی جانے لگیں، صوفی انکو سن سنکر وجد میں آتے، ان کو پڑھ کر حال کھیلتے، اور اسی مضحکہ انگیز حالت کو اپنے ایمان کا آخری معراج سمجھتے۔"

"حافظ شیرازی علیہ الرحمۃ اس قطع کے شعر کا موجد تھا اور ان کی تمام غزلیں اسی توحید اور معرفت کی چاشنی کے باعث مزیدار ہیں۔ لوگ ان کے اندر غیب کی آواز سنتے ہیں، ان سے فالیں لیتے ہیں۔ استخارے کرتے ہیں، تبرکاً سر اور آنکھوں پر رکھتے ہیں، ان کے مصنف کو لسان الغیب کہتے ہیں، جامیؒ، عراقیؒ مولانا رومؒ وغیرہ وغیرہ سب جلیل القدر شعراء اس نظری معرفت کے بڑے مفسر تھے اور جو اثر ان کے اقوال کا امت اسلام کے تخیل پر ہوا، جس حیرت انگیز سرعت سے ان کے شعر نے ایمان، اور توحید، کی اصلی صورت مسخ کر کے دین اسلام کو اقوال کا مجموعہ بنادیا تاریخ میں شعر کی بے مثال طاقت انقلاب کی واحد مثال ہے! شعر سے موسیقی کی طرف بڑھنا "قدمے فاصلہ دارد" کا حکم رکھتا ہے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ امت محمدیہ نے بھی اور مذاہب کی طرح ترنم کو اپنے دین کے اندر داخل کرلیا۔ صوفیاء نے اس فن کو نہایت سرعت سے ترقی دی، عجیب و غریب بحریں جن کا ترنم دل کے محسوسات کو بھڑکانے میں خاص طور پر مدد دے سکے، اس مطلب کے لئے رواں کیں، پھر پیروں اور اولیاؤں کی مزاروں پر ان کا گانا دین اسلام کا مستقل جزو بن گیا۔ مزاروں پر رونق اور زائروں کا ہجوم روز بروز بڑھتا گیا، لوگ ان قوالیوں کو عود بربط اور طبلوں کی تھاپ پر سنتے، سر دھنتے، عورتوں کی طرح روتے اور بے ہوش ہو ہو جاتے۔"

"پیری اور سجادہ نشینی اس حد تک گر گئی کہ باہمی کفر کے فتاوے تو درکنار، بیعت کرانے کے مکر سے عورتوں کے حلقے بنائے جانے لگے، پیر حضرات ان میں آج آتے ہیں، نظریں بھر بھر کر عورتوں کو دیکھتے ہیں، ان کے حسن و عشق سے لطف بھی اٹھاتے

ہیں، مریدوں کی نظریں آسمان کی طرف لگا کر ان کی جیبیں بھی کترتے ہیں، آپ بھی خوش ہیں، خدا کے خوش ہونے کا زعم بھی ہے، طبلہ اور ستار بھی ہے، مئے اور معشوق بھی ہے، تسبیح و سجادہ بھی ہے۔ انتظار جنت بھی ہے، لذت وصل بھی ہے، زر بھی ہے، زور بھی ہے، زن اور زمین بھی ہے، الغرض سب طرف رنگ رلیاں ہیں، اچھا تماشا ہے، بڑا مزہ ہے! اور توحید آہ، اس لرزہ فگن اور زمین شگاف، اس قلعہ شکن اور آسمان پاش توحید کی یہ مٹی پلید ہو رہی ہے کہ اس کو بازار کی طوائف کسی نیک سیرت ولی کی قبر پر بیٹھی ہوئی پان زردہ کھا کھا کر گا رہی ہیں!" (خریطہ)

قوم کی بیداری میں علم ادب کا حصہ

علامہ مشرقی لٹریچر کی ان خوبیوں سے پوری طرح باخبر تھے جو قوم کے اندر زندگی اور حیات قومی کی برقی لہر دوڑا کر اس میں اتحاد فکر و عمل پیدا کر دیتا ہے اور ادبیات کے نام پر مخرب الاخلاق اشیاء کے اس مجموعہ سے بھی واقف تھے جو افیون کے نشہ کی طرح قوم کے اعضاء کو معطل کر کے بالآخر قوم کو موت و فنا کے گھاٹ اتار دیتا ہے۔

المشرقی اور جوش ملیح آبادی

ہندوستان کے نامور شاعر جناب جوش ملیح آبادی نے ستمبر ۱۹۳۵ء میں دہلی سے ایک اخبار "کاخ بلند" شائع کرنے کے سلسلے میں علامہ مشرقی کی قلمی معاونت حاصل کرنے کے لئے انہی خط لکھا جس میں اس اصول کو لکھ کر المشرقی کو آمادہ کرنے کی کوشش کی کہ "تاریخ شاہد ہے کہ اس وقت تک کسی قوم میں بیداری اور زندگی پیدا نہیں ہوئی جب تک اس کے ادبیات میں عظیم انقلاب پیدا نہیں کیا گیا اور ظاہر ہے یہ انقلاب کہیں باہر سے نہیں آتا۔ اس ملک کے مشاہیر ہی اسے پیدا کرتے ہیں۔"

المشرقی نے جوش ملیح آادی کو لکھا۔ "میں نہیں مانتا کہ کسی قوم میں بیداری اور زندگی اس وقت تک پیدا نہیں ہوئی جب تک اس کے ادبیات (لٹریچر) میں عظیم انقلاب پیدا نہیں کیا گیا تاریخ اس بات پر شاہد ہے کہ قومیں اس وقت بیدار اور زندہ ہوتی ہیں

جب ان میں اتحاد عمل، اخوت، مساوات اور سپاہیانہ زندگی کے جذبات (Tendency) پیدا ہوئے۔ اگر آپ ان حیات کی تبلیغ کو ادبیات اور دنیا میں زندہ رہنے کے آداب اور سلیقہ میں شمار کرتے ہیں تو میں آپ سے متفق ہوں۔ موجودہ علم وادب جو ہندی مسلمانوں نے غلامی کے دوران اختیار کیا ہے نہ "علم" ہے نہ "ادب" نہ "علم ادب" یہ گھناؤنی اور مخرب آداب اشیاء کا مجموعہ ہے جس میں قوم کو کوئی شعور، کوئی ادب ہرگز حاصل نہیں ہو گا۔"

قوم کے مشاہیر کے بارے میں جوش صاحب کو لکھتے ہیں۔

"قوم کے مشاہیر ذہنی پریشانی میں مبتلا ہیں۔ اس لئے ان میں اتحاد فکر پیدا نہیں ہو سکتا، اس کی وجہ یہ ہے کہ قومی زندگی کی کوئی مسلم تصویر ذہنوں میں نہیں۔ ایک مشہور شخص زندگی اسے کہتا ہے کہ سب مسلمان بی۔ اے، ایم۔ اے ہو جائیں۔ دوسرا زندگی اسے کہتا ہے کہ دفتروں میں مسلمان ہی مسلمان نظر آئیں۔ تیسرا زندگی اسے کہتا ہے کہ رسالے اور اخبارات کثرت سے جاری ہوں۔ چوتھے کی زندگی سے مراد یہ ہے کہ بہت سے شاعر پیدا ہو جائیں۔ پانچواں اس قوم کو زندہ سمجھتا ہے جس میں عورتوں کی ہر طرف چہل پہل ہو۔ سرسید نے زندگی یہ سمجھی تھی کہ سکول کالج اور کالج یونیورسٹی بن جائے یا ترکوں کی طرح ہندی مسلمانوں میں بھی جھری کانٹے اور کوٹ پتلون کا رواج ہو۔ امان اللہ خان زندگی اس میں سمجھتا ہے کہ سب افغان نکٹائیاں پہننے لگیں اور داڑھیاں کتر دی جائیں۔ ملا کی زندگی یہ ہے کہ ماتھے پر مصنوعی گٹا پڑا ہو۔ بدن پر چیتھڑے ہوں۔ دنیا سے بے خبری ہو۔ تمام عمر صرف نحو کی تلاوت ہو، حجرے بھرے ہوں، باسی ٹکڑوں پر گزارہ ہاتھ پر ہاتھ دھر کر توکل ہو۔ وغیرہ وغیرہ ان محشرشان فکر و ضلال میں کسی کی کون سنے گا؟

آپ اگر اس رسالہ کے ذریعے قوم میں بیداری اور زندگی پیدا کرنے کے خواہاں ہیں تو پہلے رسالے کے ذریعے قوم کے مشاہیر سے فیصلہ کرائیے کہ قوم میں بیداری اور زندگی کے کیا معنی ہیں۔"

"میرے نزدیک قوم میں بیداری اور زندگی یہ ہے کہ قوم کا مختاو راشت زمین اور

غلبہ ہو۔" (المشرق)

شعراور موسیقی کے متعلق علامہ اقبال کا نظریہ!

دوسری گول میز کانفرنس میں شرکت کے لئے علامہ اقبالؒ لندن تشریف لے گئے، واپسی پر چونکہ روما، قاہرہ اور قدس شریف (یروشلم) ٹھہرنے کا ارادہ تھا اس لئے پروگرام کے مطابق ہر مقام کے ٹکٹ بنوا لئے تھے اور مختلف مقامات پر پہنچے۔ روما پہلے سے اطلاع دی جاچکی تھی اس لئے حضرت علامہ اقبال کے ایک عزیز دوست ڈاکٹر سکارپا جو غیر منقسم ہندوستان میں اٹلی کے قونصل جنرل تھے، سٹیشن پر موجود تھے۔ ۲۲ نومبر ۱۹۳۱ء کی صبح کو ڈاکٹر سکارپا حضرت علامہ کو بعض ارباب علم سے ملانے کے لئے لے گئے۔ ۲۴ نومبر کی صبح کو پرانے مقامات کے دیکھنے کا پروگرام تھا۔ علامہ روما کے آثار قدیمہ کی عظمت، جبروت، جلال اور وسعت رفعت سے بے حد متاثر ہوئے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسی عظمت اور ایسے جلال والی عمارتیں کسی دوسرے حصہ ارض میں ملنی مشکل ہیں شام کو بعض کنیا کومب دیکھے جن سے بہت متاثر ہوئے کنیا کومب کے محافظوں نے بتایا تھا کہ یہ زمین دوز اور پر پیچ راستے مسلسل آٹھ میل تک چلے گئے ہیں۔ حضرت علامہ نے فرمایا "مذہب بھی کیا چیز ہے، کوئی دوسری قوت عقیدے اور ایمان کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔ یہ جو کچھ ہوا سب مذہبی عقاید کے جوش میں ہوا۔ عقیدہ غلط بھی ہو لیکن جب مذہب کے رنگ میں دل پر قبضہ پالیتا ہے تو انسان کے عمل میں عجیب و غریب حرارت، پیدا کردیتا ہے۔"

شام کے پانچ بجے اٹلی کے مشہور پروفیسر جنٹیلی سے ملاقات کا وقت مقرر تھا۔ جنٹیلی ان دنوں "انسائیکلوپیڈیا اطالیانہ" کی ترتیت کا انچارج تھا۔ ملاقات میں مختلف مسائل زیر بحث آئے۔ سلسلہ گفتگو کے دوران میں یہ موضوع بھی زیر بحث آیا کہ "موسیقی اور شعروغیرہ کو نصاب سے خارج کردینا چاہئے" حضرت علامہ نے فرمایا کہ "قوم کی تعمیر و ترتیت کے اصول کو ملحوظ رکھتے ہوئے یہ تجویز نہایت مفید معلوم ہوتی ہے۔" جنٹیلی نے کہا کہ یہ چیزیں لوگوں کو......... کھینچ لانے کا اچھا ذریعہ ہیں اور اس کے بعد اچھی اور

مفید باتیں ان کے ذہن نشین کی جاسکتی ہیں۔ حضرت علامہ نے فرمایا کہ اس اعتبار سے بھی یہ طریقہ غلط ہے۔ ہمارے ہاں اس کا تجربہ ہو چکا ہے۔ لوگ خوش گلو شاعروں کے اشتہار دے دے کر لوگوں کو جمع کیا کرتے تھے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اب اگر......... عملیات کے لئے دعوت دی جائے تو کوئی بھی نہیں آتا۔"

اس سلسلہ میں حضرت علامہ نے اسلام کی مثال دی جس میں ان چیزوں کو دبایا گیا تھا۔ پھر فرمایا "شعر شعر میں اور موسیقی موسیقی میں فرق ہے، اگر کوئی شاعر پیدا ہو جائے جو دنیا کو حقیقی زندگی، عمل اور حرکت کا موثر پیغام دے سکے یا کوئی ایسا موسیقی دان پیدا ہو جائے جو حیات اقوام کے اصول کو ملحوظ رکھ کر نئی راگنیاں پیدا کر سکے تو خیر لیکن جو کچھ اس وقت ہمارے سامنے ہے اس سے قوت عمل میں صرف انحطاط پیدا ہونے کے سوا اور کوئی نتیجہ نہیں نکل سکتا۔" (نوائے وقت ۲۸ جون ۷۷ء)

باب ہفتم

دیباچہ اسرار خودی

"دیباچہ اسرار خودی"

"یہ وحدت وجدانی یا شعور کا روشن نقطہ جس سے تمام انسانی تخیلات و جذبات و تمنیات مستنیر ہوتے ہیں- یہ پراسرار شے جو فطرت انسانی کی منتشر اور غیر محدود کیفیتوں کی شیرازہ بند ہے- یہ "خودی" یا "انا" یا "میں" جو اپنے عمل کے رو سے ظاہر اور اپنی حقیقت کے رو سے مضمر ہے، جو تمام مشاہدات کی خالق ہے، مگر جس کی لطافت مشاہدہ کی گرم نگاہوں کی تاب نہیں لا سکتی، کیا چیز ہے؟ کیا یہ ایک لازوال حقیقت ہے یا زندگی نے محض عارضی طور پر اپنی فوری عملی اغراض کے حصول کی خاطر اپنے آپ کو اس فریب تخیل یا دروغ مصلحت آمیز کی صورت میں نمایاں کیا ہے؟ اخلاقی اعتبار سے افراد اقوام کا طرز عمل اس نہایت ضروری سوال کے جواب پر منحصر اور یہی وجہ ہے کہ دنیا کی کوئی قوم ایسی نہ ہوگی، جس کے حکماء و علماء نے کسی نہ کسی صورت میں اس سوال کا جواب پیدا کرنے کے لئے دماغ سوزی نہ کی ہو- مگر اس سوال کا جواب افراد اقوام کی دماغی قابلیت پر اس قدر انحصار نہیں رکھتا، جس قدر کہ ان کی افتاد طبیعت پر- مشرق کی فلسفی مزاج قومیں زیادہ تر اسی نتیجے کی طرف مائل ہوئیں کہ انسانی انا محض ایک فریب تخیل ہے اور اس پھندے کو گلے سے اتار دینے کا نام نجات ہے- مغربی اقوام کا عملی مذاق ان کو ایسے نتائج کی طرف لے گیا، جس کے لئے ان کی فطرت متقاضی تھی-

ہندو قوم کے دل و دماغ میں نظریہ و عمل کی آمیزش

ہندو قوم کے دل و دماغ میں عملیات و نظریات کی ایک عجیب طریق سے آمیزش ہوئی ہے- اس قوم کے موشگاف حکماء نے قوت عمل کی حقیقت پر نہایت دقیق بحث کی ہے- اور بالآخر اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ انا کی حیات کا یہ مشہور تسلسل جو تمام آلام و

مصائب کی جڑ ہے، عمل سے متعین ہوتا ہے، یا یوں کہئے کہ انسانی انا کی موجودہ کیفیات اور لوازمات اس کے گزشتہ طریق عمل کا لازمی نتیجہ ہیں اور جب تک یہ قانون عمل اپنا کام کرتا رہے گا، وہی نتائج پیدا ہوتے رہیں گے۔ انیسویں صدی کے مشہور جرمن شاعر گوئٹے کا ہیرو فوسٹ جب انجیل یوحنا کی پہلی آیت میں لفظ "کلام" کی جگہ لفظ "عمل" پڑھتا ہے (ابتدا میں کلام تھا۔ کلام خدا کے ساتھ تھا اور کلام ہی خدا تھا۔") تو حقیقت میں اس کی دقیقہ رس نگاہ اسی نکتے کو دیکھتی ہے، جس کو ہندو حکماء نے صدیوں پہلے دیکھ لیا تھا۔ اس عجیب و غریب طریق پر ہندو حکماء نے تقدیر کی مطلق العنانی اور انسانی حریت یا بالفاظ دیگر جبر و اختیار کی گتھی کو سلجھایا اور اس میں کچھ شک نہیں کہ فلسفیانہ لحاظ سے ان کی جدت طرازی داد و تحسین کی مستحق ہے اور بالخصوص اس وجہ سے کہ وہ ایک بہت بڑی اخلاقی جرات کے ساتھ ان تمام فلسفیانہ نتائج کو بھی قبول کرتے ہیں جو اس قضیے سے پیدا ہوتے ہیں۔ یعنی یہ کہ جب انا کی تعین عمل سے ہے تو انا کے پھندے سے نکلنے کا ایک ہی طریق ہے اور وہ ترک عمل ہے۔ یہ نتیجہ انفرادی اور ملی پہلو سے نہایت خطرناک تھا اور اس بات کا مقتضی تھا کہ کوئی مجدد پیدا ہو، جو ترک عمل کے اصلی مفہوم کو واضح کرے۔ بنی نوع انسان کی ذہنی تاریخ میں سری کرشن کا نام ہمیشہ ادب و احترام سے لیا جائے گا کہ اس عظیم الشان انسان نے ایک نہایت دلفریب پیرائے میں اپنے ملک و قوم کی فلسفیانہ روایات کی تنقید کی اور اس حقیقت کو آشکار کیا کہ ترک عمل سے مراد ترک کلی نہیں ہے کیونکہ عمل اقتضاء فطرت ہے اور اسی سے زندگی کا استحکام ہے بلکہ ترک عمل سے مراد یہ ہے کہ عمل اور اس کے نتائج سے مطلق دلبستگی نہ ہو۔ سری کرشن کے بعد سری رام نوج بھی اسی راستے پر چلے، مگر افسوس ہے کہ جس عروس معنی کو سری کرشن اور سری رامج نوج بے نقاب کرنا چاہتے تھے، سری شنکر کے منطقی طلسم نے اسے پھر محجوب کردیا اور سری کرشن کی قوم ان کی تجدید کے ثمر سے محروم رہ گئی۔

مغربی ایشیاء میں اسلامی تحریک بھی ایک نہایت زبردست پیغام عمل تھی۔ گو اس تحریک کے نزدیک انا ایک مخلوق، ہستی ہے جو عمل سے لازوال ہو سکتی ہے، مگر مسئلہ انا

کی تحقیق و تدقیق میں مسلمانوں اور ہندوؤں کی ذہنی تاریخ میں ایک عجیب و غریب مماثلت ہے اور وہ یہ کہ جس نکتہ خیال سے سری شنکر نے "گیتا" کی تفسیر کی، اسی نکتہ خیال سے شیخ محی الدین ابن عربی اندلسی نے قرآن شریف کی تفسیر کی، جس نے مسلمانوں کے دل و دماغ پر نہایت گہرا اثر ڈالا ہے۔ شیخ اکبر کے علم و فضل اور ان کی زبردست شخصیت نے مسئلہ وحدت الوجود کو جس کے وہ ان تھک مفسر تھے، اسلامی تخیل کا ایک لاینفک عنصر بنادیا۔ اوحد الدین کرمانی اور فخرالدین عراقی ان کی تعلیم سے نہایت متاثر ہوئے اور رفتہ رفتہ چودھویں صدی کے تمام عجمی شعراء اس رنگ میں رنگین ہوگئے۔ ایرانیوں کی نازک مزاج اور لطیف الطبع قوم اس طویل دماغی مشقت کی کہاں متحمل ہو سکتی تھی جو جزو سے کل تک پہنچنے کے لئے ضروری ہے۔ انہوں نے جزو و کل کا دشوار گزار درمیانی فاصلہ تخیل کی مدد سے طے کرکے "رگ چراغ" میں "خون آفتاب" کا اور "شرار سنگ" میں "جلوہ طور" کا بلاواسطہ مشاہدہ کیا۔

ایران کے شعراء کا دماغ کی بجائے دل پر بھروسہ!

مختصر یہ کہ ہندو حکماء نے مسئلہ وحدت الوجود کے اثبات میں دماغ کو اپنا مخاطب کیا، مگر ایرانی شعراء نے اس مسئلے کی تفسیر میں زیادہ خطرناک طریق اختیار کیا یعنی انہوں نے دل کو اپنا آماج گاہ بنایا اور ان کی حسین و جمیل نکتہ آفرینیوں کا آخرکار یہ نتیجہ ہوا کہ اس مسئلے نے عوام تک پہنچ کر قریباً تمام اسلامی اقوام کو ذوق عمل سے محروم کر دیا۔ علماء قوم میں سب سے پہلے غالباً ابن تیمیہ علیہ الرحمتہ اور حکماء میں واحد محمود نے اسلامی تخیل کے اس ہمہ گیر میلان کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی، مگر افسوس ہے کہ واحد محمود کی تصانیف آج ناپید ہیں۔ ملا محسن فانی کشمیری نے اپنی کتاب "دبستان مذاہب" میں اس حکیم کا تھوڑا سا تذکرہ لکھا ہے، جس سے اس کے خیالات کا پورا اندازہ نہیں ہو سکتا۔

ابن تیمیہ کی زبردست منطق نے کچھ نہ کچھ اثر ضرور کیا، مگر حق یہ ہے کہ منطق کی خشکی شعر کی دل ربائی کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ شعراء میں شیخ علی حزین نے یہ کہہ

حاصل بحث کی ہے اس کے چند چیدہ چیدہ اقتباسات گذشتہ باب میں پیش کر دیئے گئے ہیں۔ "خریطہ" کا دیباچہ اپنی طوالت کی وجہ سے مکمل طور پر پیش کرنا ممکن نہ تھا۔ "جبکہ اسرار خودی" کا دیباچہ مختصر ہونے کی وجہ سے پورے کا پورا پیش کیا گیا ہے تاکہ اس کتاب کے قارئین اسرار خودی اور خریطہ کے دیباچوں کا بطور خود تقابلی مطالعہ کر کے فیصلہ کریں کہ علامہ مشرقی نے علامہ اقبال کی کس حد تک تقلید کی ہے۔ علامہ مشرقی نے خریطہ کے دیباچہ کو ۱۹۲۴ء کے بعد نومبر ۱۹۵۲ء میں دُوبارہ دوران قید کی تصنیف "ارمغان حکیم" میں شامل کر کے شائع کیا ہے۔ جبکہ "اسرار خودی" کے اس دیباچہ کو ڈاکٹر اقبال نے "اسرار رموز" کے بعد میں چھپنے والے دوسرے ایڈیشنوں میں شامل نہیں کیا۔ یہ وہ دیباچہ ہے جو اب نایاب ہے۔

علامہ مشرقی اور تصوف

علامہ مشرقی نے خریطہ کے دیباچہ میں تصوف کے کسی سکول کا ذکر نہیں کیا اور نہ ہی وہ وحدت الوجود (ہم اوست) اور وحدت الشہود (ہمہ از اوست) کے مسائل کو زیر بحث لائے ہیں۔ علامہ اقبال کے دیباچہ کا مرکزی خیال ہی وحدت الوجود کا مسئلہ ہے۔ جس میں انہوں نے ایرانی شعراء پر تنقید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "مسئلہ وحدت الوجود کی تفسیر میں انہوں نے زیادہ خطرناک طریق اختیار کیا اور دماغ کی بجائے دل کو اپنا آماجگاہ بنایا ان کی حسین و جمیل نکتہ آفرینیوں کا یہ نتیجہ ہوا کہ اس مسئلے نے عوام تک پہنچ کر قریباً تمام اسلامی اقوام کو ذوق عمل سے محروم کر دیا۔" اور آخر کار اقبال خود بھی عقل و خرد اور دماغ کی بجائے دل کے اسیر ہو کر رہ گئے!

خرد از راندن محمل فرد ماند
زمام خویش دادم در کف دل

اور پھر عقل اور دل کی اسی چپقلش کے ہاتھوں بے بس ہو کر ضرب کلیم میں پکار اٹھتے

ہیں۔۔

ہر خاکی و نوری پہ حکومت ہے خرد کی — باہر نہیں کچھ عقل خداداد کی زد سے
عالم ہے غلام اس کے جلال ازلی کا — اک دل ہے کہ ہر لحظہ الجھتا ہے خرد سے

عجم کی روایتی صوفیانہ شاعری کی دل کی اسیری نے ہندی مسلمانوں کو عقل و خرد سے بیگانہ کرکے ذوق عمل سے محروم کردیا اور جنون وجذبات کے ہاتھوں ان کا سیاسی کردار زندہ باد، مردہ باد، اہمسا، عدم تشدد تان کو آپریشن اور سول نافرمانی کے گاندھی کے ہندوانہ فلسفہ تک محدود ہو کر رہ گیا "حس واقعات" ان میں مفقود اور "حس انقلاب" سے بیگانہ ہو کر رہ گئے۔ جس کی وجہ سے وہ سارے ہندوستان پر حکومت اور بادشاہت کے نصب العین کو بھول بھلا کر ہندو اکثریت کے خوف میں مبتلا کر دیئے گئے۔ نتیجۃً ۲۵ لاکھ مسلمانوں کی جانیں تلف، ۷۰ ہزار مسلم عورتوں کا اغوا اور ان کی عصمت دری اور ایک کروڑ کے قریب خانماں برباد ہو گئے۔ اس کے عوض انہوں نے چودہ سو میل ایک دوسرے سے جدا اور دور دو خطے پاکستان کے نام پر "مانگ" کر حاصل کر لئے۔

اقبال کا فلسفہ

خریدیں نہ ہم جسکو اپنے لہو سے
مسلماں کو ہے ننگ وہ بادشاہی

دھرے کا دھرا رہ گیا! ہندو کی سیاسی بالادستی اور مسلمانوں میں پیدا کی گئی صوبائی عصبیت، مذہبی فرقہ بندی اور لسانی منافرت کے ہاتھوں ۱۹۷۰ء میں مشرقی پاکستان کا خطہ شرمناک اور رسوا کن طریقے سے الگ کرکے بنگلہ دیش بنا دیا گیا۔ اور مغربی حصے کے کروڑوں عوام اقتصادی بدحالی، اخلاقی پسماندگی، انسانی دشمنی، جہالت، تعصب تنگ نظری اور فرنگی ذہنیت کے غلاموں کی محکومی میں "حس واقعات اور حس انقلاب" سے عاری اور ذوق عمل سے محروم ہو کر نزع کے عالم میں زندگی کے دن گذار رہے ہیں۔

کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسہ — مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

کی تعلیم نہ تو قرآن حکیم کی بتائی ہوئی تعلیم تھی اور نہ اسوہ رسول ﷺ سے

اس کا کوئی تعلق و واسطہ تھا اور نہ ہی یہ عقل و خرد کا درس عمل ہو سکتا تھا۔ عقل دشمنی اور جنوں کی کار فرمائی نے بھی اور کیا گل کھلانے ہیں اس کا دارومدار بھی آج ہی کے اعمال پر موقوف ہے بقول اقبال ؎

وہ قوم نہیں لائق ہنگامہ فردا
جس قوم کی تقدیر میں امروز نہیں ہے

باب ہشتم

دیباچہ خریطہ

پر

اقبال کے اعتراضات

دیباچہ خریطہ پر اقبال کے اعتراضات

شاعر مشرق نے ۱۶ جولائی ۱۹۲۴ء سے ۱۰ اکتوبر ۱۹۲۴ء تک لکھے گئے ان خطوط میں علامہ مشرقی کی تصنیف "تذکرہ" اور دیباچہ "خریطہ" پر جو تبصرے فرمائے ہیں ان سے اب تک کی بحث سے اتنا پتہ چلا ہے کہ "تذکرہ" کی عظیم و ضخیم کتاب کا مکمل مطالعہ انہوں نے نہیں کیا تھا جیسا کہ ۵ اگست کے خط میں انہوں نے لکھا ہے کہ "تذکرہ کے چند صفحات میں نے دیکھے ہیں اور وہ بھی غالباً ابتدائی تھے، اس سے زیادہ میں نہیں دیکھ سکا، سید سلیمان ندوی کے نام ۵ ستمبر ۲۴ء کے خط میں چوہدری محمد حسین کے تبصرہ کے بارے میں لکھتے ہیں "زمیندار میں تذکرہ پر ایک ریویو مفصل شائع ہوا ہے جو مصنف نے محنت و کاوش سے لکھا ہے مگر سید سلیمان ندوی کی اسٹائل اور وسعت نظر اس کو حاصل نہیں۔ مجھے "تذکرہ" کا علم اسی ریویو سے ہوا ہے۔" ۵ اگست اور ۵ ستمبر کے خطوط کا موازنہ قارئین خود کرلیں "خریطہ" کے دیباچہ کا مطالعہ اقبال نے ضرور کیا تھا کیونکہ ۱۰۔ اگست کے خط میں وہ لکھتے ہیں۔ "ان کے ادارہ اشاعت نے دیباچے کے متعلق مجھ سے رائے طلب کی تھی جو میں نے لکھ کر بھیج دی ہے۔"

علامہ مشرقی کی تصنیفات پر اقبال کی شدید تنقید ان کے ۱۰۔ اکتوبر ۲۴ء کے آخری خط سے واضح ہوتی ہے۔ اس خط کے کچھ مندرجات والزامات پر بحث گذشتہ ابواب میں کی جاچکی ہے اور باقی کے الزامات کو زیر بحث لانے سے قبل ان کے اس مکتوب کو دوبارہ پیش کیا جاتا ہے۔

اقبالؒ کا محمد حسین کے نام ۱۰ اکتوبر کا خط۔

لاہور ۱۰۔ اکتوبر ۲۴ء

ڈیئر ماسٹر صاحب السلام علیکم

آپ کا خط ابھی ملا ہے کل آپ کو ایک کارڈ لکھ چکا ہوں۔ مجھے آپ کے استدلال سے اتفاق نہیں بلکہ مجھے اس میں بھی شک ہے کہ ان کی تصانیف کسی خارجی اثر کا نتیجہ ہیں۔ آج ہی صبح مجھے کسی نے کہا کہ مصنف نے تمام اچھی باتیں اسرار و رموز سے لیکر نثر میں لکھ دی ہیں اور تمام بری باتیں اپنی طرف سے اضافہ کر دی ہیں۔ عجمی شاعری پر مجھ سے پہلے مولانا حالی حملہ کر چکے ہیں البتہ میں نے جو حملہ کیا ہے اس میں گہرائی زیادہ ہے اور یہ حملہ تصوف کے بعض سکولوں کی شاعری پر خاص طور پر کیا گیا تھا اس میں بھی انہوں نے میری ہی تقلید کی ہے۔ مگر چونکہ لٹریچر کے نفسیاتی احساس ادا جس کے اثرات سے وہ پورے طور پر آگاہ نہیں اسواسطے وہ اغلاط میں مبتلا ہو گئے ہیں اور لٹریچر کو کلیتاً فضول سمجھنے لگے یہاں تک کہ حضرت حسانؓ پر بھی اعتراض کرنے سے نہ چوکے میری رائے میں اپنے خیالات کے متعلق خود ان کا ذہن صاف نہیں ہے اور اس کی بھی یہی وجہ ہے کہ خیالات مستعار ہیں۔ بہرحال آپ اپنے خیالات کے اظہار میں پورے طور پر آزاد ہیں مجھے آپ سے اس بارے میں اتفاق نہیں ہے۔

میں خود علم نبوت کو شعر پر ترجیح دیتا ہوں اور شعر کو محض اس کا خادم سمجھتا ہوں ان کے نزدیک یہ خدمت کے بھی قابل نہیں اور یہی بات غلط ہے۔(۲ سال بعد شعر کے متعلق اقبال کا نظریہ بالکل بدل گیا۔ ملاحظہ ہو اسی کتاب کا صفحہ ۱۲۷-۱۲۸ مرتب) نفسیات انسانی کی رو سے بھی اور انسانی تجربے کی رو سے بھی۔ میری رائے میں اگر وہ اپنے طرز بیان میں محتاط رہتے تو شاید کوئی شخص ان پر اعتراض نہ کرتا لیکن ان کا محتاط نہ رہنا بھی اسی وجہ سے ہے کہ ان کا ذہن پورے طور پر اپنے خیالات کے اندرون و بیرون کے متعلق صاف نہیں ہے۔ تکالیف شرعیہ کے متعلق جو کچھ انہوں نے لکھا ہے وہ اسی عدم غور کا نتیجہ ہے بہرحال میں نے اپنے رائے مختصراً ظاہر کر دی ہے۔ آپ اپنے خیالات کے اظہار میں پورے طور پر آزاد ہیں............" مخلص محمد اقبال

اس خط کے قابل غور نکات

دس اکتوبر کے اس خط سے مندرجہ ذیل امور قابل غور و بحث برآمد ہوتے ہیں۔

1- ان کی تصانیف کسی خارجی اثر کا نتیجہ نہیں۔
2- اقبال کو آج ہی صبح کسی نے کہا کہ مشرقی نے تمام اچھی باتیں اسرار و رموز سے لیکر نثر میں لکھ دی ہیں اور تمام بری باتیں اپنی طرف سے اضافہ کر دی ہیں۔
3- عجمی شاعری پر اقبال نے جو حملہ کیا ہے اس میں گہرائی زیادہ ہے اور اس میں بھی مشرقی نے ان کی تقلید کی ہے۔
4- مشرقی لٹریچر کے نفسیاتی احساس ادا کے اثرات سے پورے طور پر آگاہ نہیں اس واسطے وہ اغلاط میں مبتلا ہو گئے ہیں اور لٹریچر کو کلیتاً فضول سمجھنے لگے۔
5- حضرت حسانؓ پر بھی اعتراض کرنے سے نہ چوکے۔
6- اپنے خیالات کے متعلق ان کا ذہن صاف نہیں ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے خیالات مستعار ہیں۔
7- وہ خود (اقبال) علم نبوت کو شعر پر ترجیح دیتے ہیں اور شعر کو اس کا خادم سمجھتے ہیں۔ مشرقی کے نزدیک یہ خدمت کے قابل بھی نہیں اور یہ بات نفسیات انسانی اور انسانی تجربے کی رو سے غلط ہے۔
8- مشرقی اپنے طرز بیان میں محتاط رہتے تو کوئی شخص ان پر اعتراض نہ کرتا۔
9- وہ محتاط اس لئے نہ رہے کہ ان کا ذہن پورے طور پر اپنے خیالات کے اندرون اور بیرون کے متعلق صاف نہیں۔
10- تکالیف شرعیہ کے متعلق جو کچھ انہوں نے لکھا ہے وہ اسی عدم غور کا نتیجہ ہے۔

مندرجہ بالا دس نکات سے چند ایک نکات تفصیل سے زیر بحث لائے جا چکے ہیں اور باقی جو رہتے ہیں ان پر گفتگو آئندہ صفحات میں کی جائے گی۔

دس اکتوبر کے اس خط کے مندرجات سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ ماسٹر محمد حسین کے وہ کیا دلائل تھے جن سے اقبال نے اتفاق نہیں کیا البتہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ماسٹر صاحب المشرقی کی تصنیفات کو کسی خارجی اثر کا نتیجہ گردانتے تھے جس پر اقبال نے کہا کہ مجھے اس میں بھی شک ہے کہ ان کی تصانیف کسی خارجی اثر کا نتیجہ ہے۔ خارجی اثر سے اقبال و ماسٹر صاحب دونوں اصحاب کی کیا مراد ہے؟ خط سے یہ واضح نہیں ہوتا۔ سات آٹھ سو

صفحات کی دو کتابوں پر یہ دونوں محترم ہستیاں قیاس آرائیوں کی محفل سجائے اشاروں کنایوں سے آپس میں خط و کتابت کر رہی ہیں جبکہ ہمارے سامنے صرف محترم اقبال کے خطوط آئے ہیں اور ماسٹر صاحب کے خیالات کی آگہی سے ہم محروم ہی رہے الا یہ کہ ڈاکٹر اقبال اپنے ایک آدھ جملہ میں ان کی کوئی بات دہرا دیتے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب اس خط میں دو جگہ انہیں لکھتے ہیں کہ اپنے خیالات کے اظہار میں پوری طرح آزاد ہیں اور ایک جگہ یہ لکھتے ہیں کہ آپ چاہیں تو ان کا اظہار کریں مجھے آپ سے اس بارے میں اتفاق نہیں ہے۔ تذکرہ پر ماسٹر صاحب کا مکمل تبصرہ اور روزنامہ زمیندار میں ۳۱ اگست سے ۵ ستمبر ۱۹۲۴ء تک چار قسطوں میں شائع ہو چکا تھا اب اور کون سے نکات زیر بحث لانے کو رہ گئے تھے اور اس کا تعلق مشرقی کی کس تصنیف سے تھا جس پر ماسٹر صاحب اظہار خیال کرنا چاہتے تھے اور جن کے بارے میں ڈاکٹر صاحب نے ان کے خیالات سے اتفاق نہیں کیا۔

دس اکتوبر کے اس آخری خط میں ڈاکٹر صاحب نے خریطہ کے دیباچہ کو اپنی شدید تنقید کا نشانہ بنایا ہوا ہے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ماسٹر صاحب نے اس دیباچہ پر ہی اپنے خیالات کا اظہار کیا ہو گا جن سے محترم اقبال نے اتفاق نہیں کیا اور انہوں نے اس خط میں "خریطہ" پر اپنے تنقیدی خیالات سے ماسٹر صاحب کو آگاہ کر دیا۔ ماسٹر صاحب کے "خریطہ" پر تبصرہ کا ذکر کسی اخبار و رسالہ میں نہیں ملتا۔ ہو سکتا ہے کہ اس خط کے بعد انہوں نے "خریطہ" پر تبصرہ کا ارادہ بدل دیا ہو کیونکہ اس کے بعد کوئی تحریر اس موضوع پر نہیں ملتی۔

علامہ مشرقی کے خیالات مستعار ہیں!

علامہ اقبال نے اپنے اس خط میں اعتراض کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ان کا اپنے خیالات کے متعلق ذہن صاف نہیں ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے خیالات مستعار ہیں۔ علامہ اقبال خود بھی اس "حادثہ" سے دوچار ہو چکے تھے جب انہوں نے اپنی مثنوی کو خیالات کے اعتبار سے بالکل نئی قرار دیا تھا۔

۱۳ جولائی ۱۹۱۴ء کو مولانا گرامی کو اپنے خط میں لکھتے ہیں۔ "گذشتہ سال ایک مثنوی فارسی میں لکھنی شروع کی تھی۔ ہنوز ختم نہیں ہوئی اور اس کے اختتام کی امید بھی نہیں۔ خیالات کے اعتبار سے مشرقی اور مغربی لٹریچر میں یہ مثنوی بالکل نئی ہے۔" اور جب ان نئے خیالات پر لے دے شروع ہوئی اور ان کے ناقدین نے اسرار، میں پیش کردہ فلاسفی کو نٹشے، نٹشے اور برگساں کے خیالات کا چربہ کہا تو انہوں نے مشہور مستشرق ڈاکٹر نکلسن کو لکھا!۔ "میرا دعویٰ ہے کہ اسرار، کا فلسفہ مسلمان صوفیاء اور حکماء کے افکار و مشاہدات سے ماخوذ ہے۔"

اقبال کے ہر دو دعاوی کو صحیح یا ایک کو غلط اور دوسرے کو صحیح تسلیم کرنے کے باوجود انہیں المشرقی کے خیالات کو مستعار، کہنے کا کوئی حق نہیں ہے جبکہ وہ یہ بتانے کی تکلیف بھی گوارا نہیں کرتے کہ مشرقی نے کن مسلمان حکماء یا مغربی مفکرین سے ان کی فکر مستعار لی۔ المشرقی خریطہ میں اپنی پیش کردہ فکر کی دلیل تو قرآن سے پیش کرتے نظر آتے ہیں۔ انہوں نے جو بات بھی کی قرآن کی زبان اور قرآن کے لہجہ میں کی۔ شاعری کی برائی کی تو قرآن کی آیت بطور دلیل پیش کردی۔ شاعر کو برا کہا تو فی کل واد یہیمون کا قرآنی فرمان لکھدیا۔ شاعروں کی پیروی کو برا جانا تو اس کا برملا اظہار کردیا کہ "جو لوگ شاعر کے پیچھے لگتے ہیں اس کے شعر کو سن کر احسنت اور مرحبا کہتے ہیں، اس کی لغو رانیوں سے متاثر ہوتے، اس کو زندگی کے کسی مرحلے میں اپنا رہنما خیال کرتے ہیں، وہ دراصل خود راہ راست سے بھٹکے ہوئے ہیں والشعراء یتبعہم الغاون یہ اس لئے کہ شاعر کا اس دنیا میں کوئی مستقل نصب العین نہیں اس کے پیش پیش کوئی صحیح مطمع نظر نہیں، فصاحت کا زور بلکہ الفاظ کا سیلان اس کو ایک بے سلیقہ دریا کی مانند جن وادیوں میں چاہتا ہے بہاں لے جاتا ہے۔........ "وہ ایک بے عمل شخص ہے جو کہتا ہے کرتا نہیں اور جو کرتا ہے اس کو چھپانے کی سعی کرتا ہے مجذوب کی طرح بڑبڑاتا ہے اور اسی بڑ میں اپنے کاغذی گھوڑے دوڑائے جاتا ہے۔ وانہم یقولون ما لا یفعلون سعی طلب اور صبر آزما خدا کے نزدیک بڑے سے بڑا گناہ یہی ہے کہ جو کہو اس کو نہ کر دکھاؤ، دل اور زبان ایک نہ ہوں، قول کی ازروئے عمل تصدیق نہ ہو،

خدا کو جو نگران اعمال ہے دھوکا دیا جائے خلق خدا کو دھوکا ہو کبرو مقتا عند اللہ ان تقولوا ما لا تفعلون○ یہ وہ تعلیم تھی جو اسی جلیل القدر نبی ﷺ نے عرب کو دی" (خریطہ) علامہ مشرقی اس بات کا فخریہ اظہار کرتے تھے کہ انہوں نے تمام فکر و حکمت قرآن سے چوری کی ہے! اس کے باوجود قرآن کی حکمت کو پیش کرنے والی کسی بھی شخصیت پر نہ تو سرقہ کا الزام لگایا جا سکتا ہے نہ چربہ کا! علامہ اقبال کی مراد اگر یہ ہو کہ مشرقی نے ان کے خیالات مستعار لئے ہیں تو بھی بات نہیں بنتی کہ دونوں مفکروں کی سوچ و فکر اور علم و عمل میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ تضاد قطبین ہے۔ مشرق و مغرب کا بعد ہے۔

تذکرہ اور خریطہ کی اشاعت سے لیکر خاکسار تحریک کے آغاز تک ان تصانیف پر ماسوائے اقبال ماسٹر محمد حسین اور سید سلیمان ندوی کے اور کسی دوسرے عالم، فاضل، مفکر یا مشہور مذہبی شخصیت نے تنقید نہیں کی نہ خدا خبر کون معشوق پردہ زنگاری کے پیچھے سے تار ہلا رہا تھا! اس لئے علامہ اقبال کا یہ کہنا کہ مشرقی اگر اپنے انداز بیان میں محتاط رہتے تو شاید کوئی شخص ان پر اعتراض نہ کرتا، بلا ثبوت اعتراض ہے۔

تکالیف شرعیہ:۔

تکالیف شرعیہ کے بارے میں ان کا اعتراض کہ یہ مشرقی کے عدم غور کا نتیجہ ہے، اس کا بھی انہوں نے کوئی حوالہ، مثال یا ثبوت پیش نہیں کیا۔ المشرقی نے خریطہ کے دیباچہ میں شرعی مسائل پر کوئی بحث نہیں کی بلکہ طبقہ صوفیاء نے احکام شریعت کی شکل بگاڑ کر اور جہاد و ہجرت کے قرآنی مفہوم کو مسخ کر کے اپنے من پسند اور آسان مطالب بنائے تھے ان پر تنقید کرتے ہوئے لکھا۔

"مکرو ریا کے اس تمام کذبستان عقل و جمود میں دین اسلام سرتاپا مسخ ہو گیا، توحید ایک نفع مند اور بلند عملی مرتبے سے گر کر اعتقاد اور قول کی ادنیٰ سطح پر اتر گئی۔ لوگوں نے دین کو سرتاپا قول بنا لیا! کلمہ شہادت قول، رسول پر ایمان قولی، خدا پر یقین قولی، قرآن کو 'ماننا' قولی، ایمان کا

مطلب قولی، پیغمبروں کو تسلیم کرنا قولی، الغرض کوئی شے فعلی اور عملی نہ رہی۔ دلوں کے اندر اگرچہ ہزار در ہزار بتوں نے ڈیرے جما لئے تھے مگر توحید وہی منہ سے خدا کو ایک کہنا رہ گئی۔ جہاں احکام صریح تھے وہاں تاویل نے اپنے جال بچھا دیئے۔ صدہا صورتیں خدا کی آیات سے گریز کرنے کے لئے نکالی گئیں۔ جہاد، ہجرت، اطاعت اولوالامر، وحدت امت، انفاق مال، مکارم اخلاق وغیرہ وغیرہ وہ سب احکام جو دین اسلام کی روح رواں حقیقت میں تھے اور جن کے باعث اسلام غالب تھا، وقتی اور مقامی احکام تصور کئے گئے۔ ان کو رفتہ رفتہ منسوخ سمجھ کر مسلمانوں نے مسواکوں اور ڈھیلوں، استنجاؤں اور داڑھیوں کو پکڑ لیا، آسان اور غیر اہم باتوں کو اسقدر اہمیت دی، ان کی اصلیت کو اسقدر بڑھ چڑھ کر دکھایا کہ مذہب ایک مضحکہ انگیز شے بن گیا، مشکل اور اہم باتوں پر اسقدر پردے ڈال دیئے کہ ان کا کوئی خبر گیراں ہی نہ رہا۔ آج دین اسلام کی سب قولی اور اعتقادی صورت، اس کی حجت اور دلیل کا اکثر مسخرہ پن، اس کی نام لیوا امت کا اکثر زوال و انحطاط، ان کی دردانگیز آہیں اور کراہیں، ان کے بظاہر دلگداز نوحے اور مرثیے اسی یقولون مالا یفعلون کے گناہ کبیرہ کا نتیجہ ہیں۔" (خریطہ)

علامہ مشرقی اگر ادبیات کے نفسیاتی احساس ادا کے اثرات سے آگاہ نہ تھے تو اس سے علامہ اقبال کو کوئی تکلیف یا تردد اٹھانے کی ضرورت ہی نہ تھی اور نہ انہیں کوئی دکھ ہونا چاہئے تھا۔ مشرقی تو اس وقت ۳۵-۳۶ سال کے ایک غیر معروف نوجوان تھے وہ انہیں ناقابلِ اعتنا سمجھتے ہوئے کلیتہً نظرانداز کر دیتے لیکن خریطہ کے ٹھوس دلائل کے سامنے شاعری کے "مضبوط قلعہ" کی دیواریں ریت کا گھروندہ ثابت ہو رہی تھیں۔ مشرقی نے قرآنی دلائل کے ساتھ شعر و شاعری پر جو تابڑ توڑ حملے کئے اس کا جواب کسی سے بنتا نظر نہ آرہا تھا اور نہ ہی کسی نے ان کے شاعری پر جارحانہ حملوں کا برملا جواب دیا۔ البتہ ماسٹر محمد حسین نے شاعری ضرور ترک کر دی لیکن وہ بھی اقبال کی دوستی اور

محبت میں اپنے خیالات کو ظاہر نہ کر سکے۔

عہد رسالت کے شاعر حضرت حسانؓ بن ثابت!

علامہ اقبال اس خط میں لکھتے ہیں! "مگر لٹریچر کے نفسیاتی احساس اور جس کے اثرات سے وہ پورے طور پر آگاہ نہیں اس واسطے وہ اغلاط میں مبتلا ہو گئے ہیں اور لٹریچر کو کلیتاً فضول سمجھنے لگے۔ یہاں تک کہ حضرت حسانؓ پر بھی اعتراض کرنے سے نہ چوکے!"

علامہ مشرقی دور رسالت میں طبقہ شعراء کے اسلام سے دور رہنے کی وجوہات پر لکھتے ہیں۔ "یہ ایک نہایت معنی خیز واقع ہے کہ رسول خدا ﷺ کے عہد میں اکثر مقتدر شاعر حلقہ اسلام میں داخل ہونے سے الگ تھلک رہے۔ اس وقت ٹھیک طور پر یاد نہیں مگر "معلقات" کے کم از کم ایک شاعر (زہیر ابن ابی سلمیٰ؟) نے عہد رسالت پایا اور وہ آخر دم تک مسلمان نہ ہوا۔ "قصیدہ بردہ کا بوڑھا مصنف (حضرت کعبؓ جن کے بارے میں اقبال نے "رموز بے خودی" میں پوری نظم کہی ہے (خواجہ) عین اس وقت اپنا ہدیہ مدح لیکر آیا جب دین اسلام غالب ہو چکا تھا اور شاعری کی موت سامنے نظر آرہی تھی۔ شعر فہمی کا شائبہ (بلکہ بعض اوقات شعر گوئی کا سلیقہ) ہر جلیل القدر شخص میں کچھ نہ کچھ ضرور ہوتا، سرور عالم ﷺ قصیدے کو سن کر مسکرا دیئے اور شاعر فرقے کو اسلام کی طرف جذب کرنے کے لئے اپنی چادر انعام میں دے دی۔"

"صدر اسلام میں لے دیکر اگر کوئی شاعر مسلمان ہو کر چکا تو وہ حسانؓ بن ثابت تھا۔ مگر ان کا شعر زمانہ جاہلیت کے شعر سے بدرجہا کم پائے کا ہے۔ عہد رسالت میں ان کا کام اکثر یہی رہا کہ دشمن کے رسولؐ خدا کے برخلاف طعنوں کا بطور خود جواب دیا کریں۔ مگر آستانہ نبوت سے ان کو اس امر کی تحریض نہ ہوتی تھی۔ تاہم اسلام کی عملی خدمت اور ترقی میں ان کا وہ حصہ ہرگز نہ تھا جو اور صحابہ کرام کو ودیعت ہوا تھا، بلکہ واقعہ افک کی تشہیر میں ان کے شرمناک حصے نے تاریخی نقاد کی نظروں میں ان کے حضرتؐ پر ایمان و یقین کی قدر و منزلت بہت کم کر دی ہے۔"

واقعہ افک کیا ہے!

مصر کے مشہور مورخ ڈاکٹر محمد حسین ہیکل نے اپنی تصنیف "حیاۃ محمد" (جس کا اردو ترجمہ مولانا محمد وارث کامل مرحوم نے سیرۃ الرسول کے نام سے کیا) میں واقعہ افک پر تفصیل سے لکھا ہے۔

"غزوہ بنی معلق سے واپسی کے بعد ایک ایسا حادثہ رونما ہوا جو شروع میں تو کچھ اتنا زیادہ اہم نہ تھا لیکن کچھ ہی دنوں بعد عاقبت نااندیش اشخاص کی چہ میگوئیوں سے اس نے ایک ہنگامہ کی شکل اختیار کرلی۔ آنحضرت ﷺ کسی غزوہ میں شمولیت فرماتے تو اپنی ازدواج مطہرات میں سے کسی نہ کسی کو قرعہ اندازی سے اپنی رفاقت کا شرف بخشتے تھے۔ غزوہ بنی معلق میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کو آپؐ کی رفاقت نصیب ہوئی۔ حضرت عائشہؓ ہلکے پھلکے جسم کی تھیں۔ ہودج دہلیز کے پاس لایا جاتا اور آپ اس میں بیٹھ جاتیں تو ہودج کو اٹھاتے وقت ساربان کو یہ بھی احساس نہ ہوتا کہ ہودج میں کوئی ہے بھی۔"

صعوبت ناک سفر کی منزلیں صبار فتاری سے طے ہو رہی تھیں۔ ایک مقام پر اثنائے سفر میں لشکر کو شب کے وقت پڑاؤ کا حکم ہوا۔ جب لشکری کچھ ستالئے تو سفر پھر شروع ہوا۔ عین آغاز سفر کے وقت (یہ نہ جانتے ہوئے کہ لشکر آمادہ عزم سفر ہے) ام المومنین کسی طبعی ضرورت کی وجہ سے کچھ فاصلے پر چلی گئیں تھیں، واپس ہونے لگیں تو پتہ چلا کہ گلے کا ہار کہیں گر پڑا ہے اس لئے پھر لوٹیں ہار کی تلاش میں کچھ دیر ہوگئی غرض ہار تو دستیاب ہوگیا لیکن اس اثنا میں لشکر کوچ کر گیا تھا۔ بات یہ ہوئی کہ ساربان نے یہ سمجھتے ہوئے کہ ام المومنین ہودج میں ہیں، خالی ہودج اٹھا کر اونٹ پر رکھ لیا تھا اور لشکر کے ہمراہ روانہ ہوگئے تھے۔ آپ نے صحرا میں تنہا سفر کرنے میں کوئی مصلحت نہ سمجھی اور پڑاؤ پر ہی ٹھہرنا مناسب سمجھا۔ غرض آپ نے چادر سے اپنے جسم کو لپیٹ لیا اور وہیں بیٹھ گئیں۔"

"اتفاق کی بات اس سفر میں صفوان بن معطل سلمیؓ بھی کسی ضرورت سے لشکر سے بچھڑ گئے تھے ان کا گزر اس طرف ہوا جہاں ام المومنین تشریف فرما تھیں آپ کو

اس عالم میں تنہا پاکر ہکا بکا رہ گئے۔ صفوان نے اپنا اونٹ بٹھا کر آپ سے درخاست کی کہ اس پر سوار ہو جائیں۔ خود ذرا پیچھے ہٹے تاکہ حیا دامنگیر نہ ہو۔ ام المومنین سوار ہو گئیں تو صفوان نے اونٹ کی رفتار تیز کر دی تاکہ لشکر کے قریب پہنچ سکیں لیکن لشکر اس تیزی سے منزلیں طے کر رہا تھا کہ اس نے مدینہ پہنچ کر ہی دم لیا۔ صفوان اپنے اونٹ پر ام المومنین کو بٹھائے ہوئے مدینہ پہنچے تو دن کی روشنی خاصی پھیل چکی تھی۔ لوگوں نے ام المومنین کو صفوان کے اونٹ پر سوار دیکھا۔ صفوان نے آنحضرت ﷺ کے دولت خانے کے قریب ام المومنین کو اتارا اور آپ گھر تشریف لے گئیں۔ اس موقع پر کسی کے دل میں نہ کوئی وسوسہ تھا اور نہ زبان پر کوئی فقرہ جس سے یہ اندازہ ہو تاکہ لوگوں میں بدگمانی راہ پا چکی ہے۔ آنحضرت ﷺ کو بھی اس قسم کا کوئی خیال نہ آیا، سیدنا حضرت ابوبکر صدیق کی صاحبزادہ کے متعلق ایسا خیال آ بھی نہ سکتا تھا" (حیاۃ محمد صفحہ ۴۴۰-۴۳۹)

حضرت عائشہ پر بہتان کی داستان

ڈاکٹر محمد حسین ہیکل داستان افک بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"جن ایام میں ام المومنین حضرت جویریہ امہات المومنین کے حلقہ میں شامل ہوئی ہیں یہ سرگوشیاں ہو رہی تھیں کہ حضرت عائشہ قافلہ سے بچھڑ کیوں گئی تھیں اور مدینہ میں صفوان ایسے جوان اور خوش رو کی معیت میں آنے کا سبب کیا ہے؟ مسلمانوں میں حمنہ بی بی اس جھوٹی افواہ کو ہوا دے رہی تھیں اور اس جھوٹی افواہ کو پھیلانے میں حضرت حسان بن ثابت بھی بی بی حمنہ کے ہمنوا تھے۔ عبداللہ ابن ابی جس کے اندر نفاق کوٹ کوٹ کر بھرا تھا اس نے بھی بے پر کی اڑائیں اور خوب اپنے دل کی بھڑاس نکالی۔"

آنحضرت ﷺ کی تشویش

"یہ افوائیں آنحضرت ﷺ تک پہونچیں تو آپ کی حیرت کی انتہا نہ رہی،

آپ اس ذہنی کشمکش میں مبتلا ہو گئے کہ یہ افواہیں کیسے درست ہو سکتی ہیں؟ مجھے عائشہ سے یہ امید ہرگز نہیں کہ اس نے مجھ سے خیانت کی ہو۔ ایسا اقدام محالات سے ہے، پھر دوسرے ایک بلند و بالا مرتبہ پر فائز ہوتے ہوئے یہ کیسے ممکن ہے کہ اس قسم کی بات ظہور میں آئے۔ آنحضرت ﷺ کو حضرت عائشہ پر اتنا اعتماد تھا کہ اس قسم کی بدگمانیاں راہ نہ پا سکتی تھیں، لیکن اس کے ساتھ ہی آپ کو یہ بھی خیال تھا کہ طبقہ نسواں کے اسرار درون پردہ کی تہہ تک کون پہنچ سکتا ہے۔

عائشہ کی عمر ہی کیا ہے؟ اگر ہار گم ہو گیا تھا تو اس کی تلاش میں آدھی رات گئے انہیں صحرا میں دور جانے کی کیا ضرورت تھی؟ لشکر گاہ میں روانگی سے قبل یہ بات انہیں مجھ سے کرنی چاہیے تھی۔ ایسا انہوں نے کیوں نہ کیا؟ رسول کریم ﷺ کے دل و دماغ میں یہ خیالات گشت کر رہے تھے اور آپ قطعیت سے دو ٹوک فیصلہ نہ کر سکتے تھے۔"

آنحضرت ﷺ کا خطبہ

انہی دنوں آنحضرت ﷺ نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا۔

"اے لوگو! بعض ایسے لوگ ہیں جو خواہ مخواہ مجھے روحانی اذیت پہنچا رہے ہیں، میری اہلیہ کے بارے میں ان کی ناروا باتیں سننے میں آئی ہیں۔ خدا کی قسم! مجھے آج تک اپنی اہلیہ سے متعلق کبھی یہ شبہ بھی نہیں ہوا کہ خیر کے سوا کسی اور چیز کی بھی توقع ان سے کی جا سکتی ہے اور جس شخص کے بارے میں یہ افواہیں گشت کر رہی ہیں میری دانست میں اس کے اندر بھی حسن و خوبی کے سوا اور کوئی چیز دیکھنے میں نہیں آئی اگر یہ شخص کبھی میرے گھر آیا بھی تو میری معیت میں۔" (حیات محمد صفحہ ۴۴۲-۴۳)

اس بہتان عظیم کے صدمہ سے حضرت عائشہ جو پہلے ہی کافی دبلی پتلی تھیں اور بھی لاغر ہو گئیں۔ لگاتار ۲۹ روز کی ذہنی اذیت اور کوفت نے آپ کی جان کھینچ کر رکھ دی

اور آپ حضور ﷺ کی اجازت سے اپنے والدین کے گھر چلی گئیں۔ حسان بن ثابتؓ اور حمنہ بی بی کے اس سنگین الزام نے رسولؐ کی خانگی زندگی میں عظیم طوفان پیدا کر کے حضور ﷺ کو روحانی اذیت اور ذہنی کوفت سے ہم کنار کر رکھا تھا۔ اسی قسم کی نازک حالت اور شدید صدمہ سے حضرت عائشہؓ بھی دوچار تھیں۔ اس تشویشناک صورتحال میں آنحضرت ﷺ نے حقیقت حال معلوم کرنے کے لئے حضرت اسامہ بن زیدؓ اور حضرت علی ابن ابی طالب کو جن پر آپ کو پورا اعتماد تھا طلب فرما کر ان دونوں اصحاب سے اس بہتان عظیم سے متعلق مشورہ طلب کیا۔

حضرت اسامہؓ نے نہایت صفائی اور پورے اخلاص سے حضرت عائشہ کی پاکدامنی کی شہادت دی۔ حضرت علیؓ نے دو ٹوک رائے دینے کی بجائے صرف اتنا کہا۔ عورتوں کی کمی نہیں بہتر ہو گا کہ آپؐ ام المومنین کی کنیز سے بھی دریافت کریں۔ حضرت علی نے کنیز کو اس لئے خوب مارا پیٹا کہ وہ نبی کریم ﷺ کے حضور سچ بولے۔ کنیز نے بھی حضرت عائشہ کی پاکدامنی کی قسمیں کھائیں۔

آخر میں ام المومنین حضرت عائشہؓ صدیقہ سے باز پرس کی نوبت آئی آپؐ حضرت ابوبکر صدیق کے گھر تشریف لے گئے۔ اس موقعہ پر ام المومنین کے والدین کے علاوہ ایک انصاریہ بھی موجود تھیں۔ نبی کریمؐ نے جب حضرت عائشہ سے اس اتہام کے بارے میں باز پرس کی تو ان کی چیخیں نکل گئیں۔ کئی قسم کے سوال و جواب کے بعد حضرت عائشہ نے قاضی الحاجات کی بارگاہ میں دعا کی۔ بارالہا! میری مدد فرما اور کوئی ایسی صورت پیدا کر کہ میری بے گناہی کی حقیقت رسول اکرم ﷺ پر آشکارا ہو جائے اس گفت و شنید کے بعد تمام مجلس پر سکوت چھا گیا اور کسی کو غم والم کی وجہ سے ایک دوسرے کا ہوش نہ رہا۔ اسی اثنا میں آنحضرت ﷺ پر نزول وحی کا سلسلہ شروع ہوا۔ حاضرین مجلس نے آپؐ کا چہرہ مبارک چادر سے ڈھانک دیا۔ جب آنحضرت ﷺ نزول وحی سے فارغ ہوئے تو آپ نے حضرت عائشہ سے فرمایا۔ "اے عائشہ مبارک ہو اللہ تعالٰی نے تمہاری بے گناہی میں آیات نازل کی ہیں۔ حضرت عائشہ نے اپنی زبان سے صرف الحمدللہ کہا اور خاموش ہو گئیں۔ آنحضرت ﷺ اسی وقت مسجد نبوی میں

تشریف لائے اور آپؐ نے مجمع عام میں سورہ نور کی آیات کی تلاوت کی اور قرآن حکیم کے اس تنزیلی حکم کی تعمیل میں مسطح ابن اثاثہ، حسانؓ بن ثابت اور حمنہ بنت جحش کو اسی اسی دروں کی سزا دی کہ ان تینوں نے حضرت عائشہ کے خلاف بہتان باندھا تھا۔ (ماخوذ از حیات محمد ترجمہ محمد وارث صفحات ۴۴۶ - ۴۴۴)۔

واقعہ افک پر علامہ مشرقی نے بھی تکملہ جلد دوم میں تفصیل سے لکھا ہے۔ چونکہ علامہ اقبال نے اپنے زیر بحث خط میں لکھا ہے کہ مشرقی حضرت حسانؓ پر بھی اعتراض سے نہ چوکے!" اس لئے حضرت عائشہ پر جھوٹے الزام کے متعلق المشرقی کے خیالات کو بھی یہاں پیش کر دیا جاتا ہے۔

واقعہ افک کی دردانگیز تشہیر

"مدینہ پہنچ کر منافقین مدینہ کو ایک اور نیا فتنہ سوجھا اور جس سے بہت زیادہ شرارت پیدا ہوئی۔ رسول خدا کا معمول تھا کہ جنگ کے موقعہ پر وہ قرعہ ڈال کر اپنی کسی بیوی کو ساتھ لے جاتے۔ اس دفعہ حضرت عائشہ کا نام نکلا۔ اتفاق سے جب اسلامی فوج خیمے اکھاڑ کر مدینہ کی طرف واپس ہو رہی تھی حضرت عائشہ اپنے پردہ دار ہودج میں بیٹھ گئیں۔ پھر یک لخت خیال آیا کہ ان کا ہار خیمہ میں رہ گیا ہے اور وہ ہار لینے کے لئے باہر نکلیں۔ چونکہ وزن میں ہلکی پھلکی تھیں۔ ہودج والوں نے محسوس نہ کیا اور خالی ہودج کو لیکر چل پڑے حتیٰ کہ جب واپس آئیں تو قافلہ کو نہ پاکر سخت پریشان ہوئیں اور اسی جگہ جہاں سے گئیں تھیں منہ لپیٹ کر بیٹھی رہیں کہ کوئی ان کو واپس آکر لے جائے گا۔ اسی اثنا میں ایک سپاہی صفوانؓ بن معطل جس کا کام یہ تھا کہ فوج کے کوچ کے بعد اگر کوئی سامان یا سپاہی پیچھے رہ جائے تو اس کو ساتھ لے آئے۔ اس جگہ پر پہنچا اور حیران رہ گیا کہ ایک پردہ دار عورت راہ گزر پر بیٹھی ہیں۔ جب حقیقت حال معلوم ہوا تو صفوان نے اپنی اونٹنی پیش کی۔ حضرت عائشہؓ سوار ہوئیں اور صفوانؓ اونٹنی کی مہار پکڑ کر جلد سے جلد نور کے تڑکے اور مدینہ کے عین دروازے پر قافلہ سے آملے۔ عبداللہ منافق اور اس کے حواریوں نے اس واقعہ سے فائدہ اٹھا کر حضرت عائشہؓ پر

صفوانؓ سے بداخلاقی کی تہمت باندھی جس نے رسول خدا کے گھر میں ایک عظیم فتنہ مچادیا۔ رسول خدا ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے بات چیت بند کردی۔ ان کا سلوک بدل گیا۔ حضرت عائشہ کو اپنی والدہ سے اس بہتان کا پتہ لگا تو کھانا پینا بند کردیا، آنکھیں ہفتوں روتے روتے سوج گئیں، صحت سخت بگڑ گئی اور درد سر کا عارضہ لاحق ہوگیا۔ ان کے والد حضرت ابوبکر صدیقؓ اور دوسرے صحابہ کو سخت رنج ہوا۔ رسول ﷺ نے حضرت علیؓ سے مشورہ کیا۔ انہوں نے کوئی تسلی بخش بات حضرت عائشہ کے متعلق نہ کی۔ منافقین نے مدینہ آکر اس بہتان کو دور دور تک پھیلایا اور رسول خدا سے دشمنی کی پوری بھڑاس نکالی۔"

وحی کے ذریعے حضرت عائشہ کی بریت:۔

"کچھ مدت کے بعد جب تک وحی کے ذریعے سے حضرت عائشہ کی پاکدامی کی شہادت خدا کی طرف سے نہ آئی، یہ فتنہ نہ دبا، اس کے بعد رسول ﷺ کا شک قطعی طور پر دور ہوگیا۔ ان کے حضرت عائشہ کے ساتھ پہلی محبت کے تعلقات بحال ہوگئے، اور رسول خدا نے وحی کے مطابق بہتان باندھنے والوں کو سزائیں دیں حتیٰ کہ حمنہ کو جو خوبصورت عورت تھی اسی درے لگوائے۔ عبداللہ ابن ابی اور حسانؓ بن ثابت شاعر کو چھوڑ دیا۔ تاریخ میں یہ واقعہ افک کے نام سے مشہور ہے اور ۵ ہجری کے شروع میں ہوا۔ رسول خدا ﷺ اس فتنہ کو بزور فرو کرسکتے تھے لیکن ان کی حکمت عملی منافقوں کے بارے میں یہی رہی کہ اس سے حتی الوسع درگذر کیا جائے اور مقابلہ کرکے فتنہ نہ پیدا ہونے دیا جائے (تکملہ جلد ۲ صفحہ ۵۳-۱۵۲)

واقعہ افک سیرۃ الرسول ؐ کا اتنا اہم واقعہ ہے جسے کسی مورخ نے نظرانداز نہیں کیا۔ سورہ نور کے نزول کا باعث بھی یہ واقعہ ہے۔ بعض مورخوں نے حسان بن ثابت کو اسی دورں کی سزا دینے کا ذکر کیا ہے۔ لیکن المشرقی نے لکھا ہے کہ انہیں سزا نہیں دی گئی۔ بہر کیف یہ بات سب مورخوں کے نزدیک مسلم ہے کہ حضرت عائشہ پر بہتان لگانے والوں میں حضرت حسانؓ پیش پیش تھے اور اس سنگین الزام و بہتان سے رسول

خدا ﷺ ان کی زوجہ مطہرہ حضرت عائشہ اور ان کے والدین حضرت ابوبکر صدیقؓ وغیرہ کو جس المناک اذیت سے گذرنا پڑا۔ اس کا اندازہ ہر مورخ نے اپنے اپنے طور پر لگایا ہے۔ اس شرمناک بہتان نے رسول علیہ الصلوۃ والسلام کو جو روحانی صدمہ واذیت اور ذہنی تکلیف پہنچائی اس کا اندازہ حضور کے اس خطاب سے کیا جاسکتا ہے جس کا ذکر محمد حسین ہیکل نے کیا ہے اور جس کا اقتباس اوپر پیش کر دیا گیا ہے۔ اس حیاسوز بہتان اور اس سے متاثر ہونے والی عظیم شخصیتوں کو پیش آنے والی روحانی، دماغی، جسمانی اور نفسیاتی عقوبت و صعوبت اور سماجی صدمہ واذیت کی وجہ سے المشرقی کا خریطہ میں یہ لکھنا "بلکہ واقعہ افک کی تشہیر میں ان (حسانؓ بن ثابت) کے شرمناک حصے نے تاریخی نقاد کی نظروں میں ان کے حضرتؐ پر ایمان و یقین کی قدر و منزلت بہت کچھ کم کردی ہے۔" حضرت حسانؓ کے بارے میں علامہ مشرقی کا حقیقت پر مبنی تاریخی نفسیاتی اور واقعاتی تجزیہ ہے! اور جس کے متعلق اقبال نے اپنے خط میں لکھا "یہاں تک کہ حضرت حسانؓ پر بھی اعتراض کرنے سے نہ چوکے۔"

حضرت حسان کے طرز عمل سے آنحضرتؐ کو تکلیف کے باوجود مشرقی کے اعتراض پر اقبال کو اعتراض

حضرت حسانؓ کے اس حیران کن اور عجیب و غریب طرز عمل سے جو تکلیف آنحضرت ﷺ کو پہنچی اس کا احساس عاشق رسولؐ علامہ اقبال کو نہ جانے کیوں نہ ہوسکا لیکن حضرت حسانؓ کے واقعہ افک کی تشہیر میں حصہ لینے پر مشرقی کے اعتراض کو وہ برداشت نہ کرسکے۔ شاید اس لئے کہ ان کا تعلق بھی شعراء کے طبقہ سے تھا۔ علامہ اقبال کو اپنے ان الفاظ کا پاس تو ہونا چاہئے تھا۔

؎ در دل مسلم مقام مصطفیٰ است
آبروئے ما ز نام مصطفیٰ است

جبکہ ان کے نزدیک خاک یثرب دونوں جہانوں سے اس لئے خوش تر مقام ہے کہ وہ شہر دلبر ہے!

خاک یثرب از دو عالم خوشتر است
اے خنک شہرے کہ آنجا دلبر است

نواں باب

اقبال اور مشرقی

اقبال اور مشرقی

ڈاکٹر اقبال نے تذکرہ، خریطہ اور ان کے مصنف المشرقی کے بارے میں ۱۶ جولائی سے ۱۰ اکتوبر ۱۹۲۴ء کے ان خطوط میں اپنے خیالات کا اظہار جس پیرائے میں کیا ہے ان پر گذشتہ ابواب میں تفصیل سے گفتگو کی جا چکی ہے۔ اسرار خودی اور رموز بے خودی کو شائع ہوئے آٹھ نو برس ہو چکے تھے۔ پیام مشرق بھی ۱۹۲۳ء میں منظر عام پر آ چکی تھی۔ بانگ درا کی غزلیں اخبارات میں اکثر شائع ہوتی رہتی تھیں اس کے علاوہ انجمن حمایت اسلام کے سالانہ جلسوں میں بھی اقبال اپنا کلام اپنے مخصوص پرسوز ترنم سے سنا سنا کر جلسوں کو گرما دیا کرتے تھے ان کی شاعری کی دھوم ملک بھر میں مچی ہوئی تھی۔ "سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا" اور "ہندی ہیں ہم وطن ہے ہندوستان ہمارا" کا نغمہ زباں زدعام ہو چکا تھا کہ ۱۹۲۴ء میں ان کا پہلا اردو مجموعہ کلام بانگ درا بھی شائع ہو کر آ گیا۔ اقبال اس وقت اپنی عمر کے پچاس سال پورے کر چکے تھے اور ہندی مسلمانوں میں بھی ان کے لئے ایک بلند مقام پیدا ہو چکا تھا اس کے باوجود یہ کہنا مشکل ہے کہ مشرقی کے ساتھ وہ متعارف ہو چکے تھے یا نہیں۔ ان کے خطوط سے بھی کہیں یہ واضح نہیں ہوتا کہ ان کی مشرقی کے ساتھ کوئی رسم وراہ، ملنا جلنا، دوستانہ تعلقات یا عام قسم کی واقفیت تھی! علامہ اقبال نے سید سلیمان ندوی کو ۱۹۔ اگست ۱۹۲۴ء کو لکھا۔

> "پنجاب میں ایک صاحب نے حال ہی میں قرآن کی تفسیر شائع کی ہے جس کا نام "تذکرہ" ہے۔ کیا آپ کی نظر سے گزری ہے؟ کتاب اس قابل ہے کہ اس کا ریویو مفصل آپ کے قلم سے نکلے۔"

المشرقی کے بارے میں سید صاحب کے استفسار پر اقبال نے ۵ ستمبر ۲۴ء کو اپنے خط میں انہیں لکھا۔

جناب مشرقی کون ہیں؟

"جناب مشرقی امرتسر کے رہنے والے ہیں۔ نوجوان آدمی ہیں۔ کیمبرج میں ریاضی کا اعلیٰ امتحان پاس کیا۔ ہندوستان آئے تو کچھ مدت کے لئے اسلامیہ کالج پشاور کے پرنسپل رہے۔ اس کے بعد گورنمنٹ آف انڈیا کے محکمہ تعلیم میں رہے۔ آج کل غالباً کسی سرکاری سکول کے ہیڈماسٹر ہیں۔ مجھے ان کی قابلیت کا حال زیادہ معلوم نہیں۔ مگر اس کتاب کی ریویو سے جو کچھ معلوم ہوا ہے وہ یہ ہے کہ مغربی افکار پر بھی ان کی نظر نہایت سطحی ہے۔ باقی تفسیر قرآن و تاریخ کے متعلق آپ مجھ سے بہتر اندازہ کر سکتے ہیں۔ انکی کتاب کے متعلق یہاں عجیب و غریب افواہیں ہیں۔ زبانی عرض کروں گا "زمیندار" میں تذکرہ پر ایک ریویو مفصل شائع ہوا ہے جو مصنف نے محنت و کاوش سے لکھا ہے مگر سید سلیمان ندوی کی اسٹائل اور وسعت نظر اس کو حاصل نہیں۔ مجھے تذکرہ کا علم اسی ریویو سے ہوا۔

جناب مشرقی جہاں تک مجھے معلوم ہے خود مدعی نہیں ہیں، "امت مسلمہ" سے ممکن ہے ان کا تعلق ہو کیونکہ آج کل "امت مسلمہ" کا سنٹر امرتسر ہے۔ بہائی فرقہ سے بھی جہاں تک مجھے معلوم ہے ان کا تعلق نہیں ہے۔"

سید صاحب کے نام خطوط سے اندازہ ہوتا ہے کہ اقبال کو جناب مشرقی کی قابلیت کا زیادہ حال تو معلوم نہیں مگر ماسٹر محمد حسین کے تبصرہ سے جو کچھ معلوم ہوا یہ ہے کہ مغربی افکار پر ان کی نظر نہایت سطحی ہے۔ اس کے علاوہ مشرقی کے عقائد کے متعلق چھان بین کرکے یہ معلوم کر چکے ہیں کہ امرتسر میں نوجوانوں کا جو گروہ "امت مسلمہ" کے نام سے کام کر رہا ہے مشرقی اس کے مدعی نہیں ہیں اور نہ ہی ان کا تعلق بہائی فرقہ کے ساتھ ہے۔ "امت مسلمہ" کے بارے میں اقبال ۲۴ ستمبر کے خط میں ماسٹر صاحب کو تفصیل سے لکھ چکے ہیں۔

سید سلیمان ندوی کو ۵ ستمبر کے خط میں زمیندار اخبار میں ماسٹر صاحب کے تذکرہ پر تبصرہ کے بارے میں تعریفی انداز میں لکھتے ہوئے سید صاحب کے اسٹائل اور وسعت نظر کی تعریف کے بارے میں پولیٹکل انداز میں تذکرہ پر تبصرہ لکھنے کو آمادہ کرتے یا اکساتے

نظر آتے ہیں اس سے پہلے ۱۹۔ اگست کے خط میں بھی انہیں لکھ چکے ہیں کہ کتاب (تذکرہ) اس قابل ہے کہ اس کی ریویو مفصل آپ کے قلم سے نکلے۔

سید صاحب کا تذکرہ کے عربی افتتاحیہ جو ۱۴۴ صفحات پر مشتمل حصہ ہے پر تبصرہ ۱۴ ستمبر ۱۹۲۴ء کو زمیندار اخبار میں شائع ہوا۔ جو اپنے علمی و ادبی قدو قامت میں ماسٹر صاحب کے تبصرہ سے بھی کم تر تھا۔ اس سلسلے میں محترم اللہ بخش یوسفی نے دلچسپ انکشاف کیا ہے جو پشاور کے رہنے والے اور تحریک خلافت کے سرکردہ رہنما تھے۔ پاکستان کی تحریک میں بھی وہ صف اول کے سپاہی رہے قیام پاکستان کے بعد انہوں نے کراچی میں مستقل سکونت اختیار کرلی تھی۔ اور وہاں سے اپنا مجلہ "آواز پختون" شائع کرتے تھے۔ انہوں نے "یادایام" کے عنوان سے ۱۰۔ جولائی ۱۹۶۶ء کے شمارہ میں سید سلیمان ندوی کے تبصرہ کے بارہ میں لکھا۔

"اس سلسلہ میں یہ رنجیدہ حقیقت بھی سن لیجئے کہ ہندوستان کے ایک مشہور مورخ نے تذکرہ پر تبصرہ کرتے ہوئے یہاں تک لکھ دیا کہ اس کی عربی زبان کی ہر ہر سطر میں پانچ پانچ غلطیاں ہیں۔ خیال رہے کہ "تذکرہ" اردو زبان میں ہے لیکن اس کے ابتدائی ۱۴۴ صفحے عربی زبان میں ہیں، جنہیں بعد میں قدردان افراد مصر نے قاہرہ میں علیحدہ جلد کی شکل میں شائع کردیا تھا۔ ہم حیران کہ عمر طوسون پاشا جیسے ادیب اس کتاب کی تعریف کررہے ہیں۔ ادھر مصر کے اہل عرب اسے شائع کرنے کی فکر میں تھے اور یہاں اسے غلطیوں کا پلندہ ظاہر کیا جارہا ہے۔"

"میں نے جب علامہ مشرقی سے ذکر کیا تو وہ مشتعل ہوگئے۔ پھر کہنے لگے "بھائی! میں نے کلوکیل (گھریلو) عربی میں وہ افتتاحیہ لکھا ہے جسے تمہارے مولوی بے چارے تو پڑھ بھی نہیں سکتے۔ وقت گزر گیا ۱۹۲۷ء میں جب جمعیت العلمائے ہند کا سالانہ اجلاس پشاور میں منعقد ہوا تو میں نے کوشش کی کہ اپنے مذکورہ مورخ موصوف کی علامہ سے ملاقات ہوجائے۔ دونوں ایک دوسرے سے ملنے پر آمادہ نہ ہوئے لیکن میں نے اس وعدہ پر کہ "تذکرہ" پر کوئی بات نہ ہوگی ملاقات کا وقت مقرر کرلیا۔ لیکن عین وقت پر ہمارے مورخ موصوف نے جانے سے انکار کردیا۔ اور جب میں نے اصرار کیا تو انہوں

ے نہایت شریفانہ انداز میں فرمایا! "یہ سچ ہے! تبصرہ کرتے وقت میرے پیش نظر تذکرہ نہ تھا بلکہ چند اخباری مضامین تھے جو تذکرہ کی مخالفت میں چھپے تھے، انہی سے مجھے غلط فہمی کا شکار ہونا پڑا۔" (بحوالہ المشرق از ڈاکٹر محمد عظمت اللہ بھٹی صفحہ ۱۹۲۔ ۱۹۳)

یہ مشہور مورخ ہمارے سید سلیمان ندوی ہی تھے جنہیں علامہ اقبال نے ماسٹر محمد حسین کے تبصرہ کا توصیفی حوالہ دیتے ہوئے لکھا تھا۔ زمیندار میں تذکرہ پر ایک ریویو مفصل شائع ہوا ہے جو مصنف نے محنت و کاوش سے لکھا ہے مگر سلیمان ندوی اسٹائل اور وسعت نظر اس کو حاصل نہیں، اور "کتاب اس قابل ہے کہ آپ کے قلم سے ریویو نکلے۔"

سید صاحب کے اسٹائل کا اندازہ تو اس تبصرہ کو دیکھ کر ہوگیا جو انہوں نے ماسٹر صاحب کے قسطوں میں چھپنے والے تبصرہ کا ملخص تیار کرکے "زمیندار" اخبار میں شائع کرادیا تھا البتہ ان کی وسعت نظر کا نہ سہی وسعت قلب کا اندازہ ان کے اس اعتراف حقیقت سے ضرور ہوگیا۔ جو قابل ستائش ہے۔

علامہ مشرقی یورپ سے واپس آئے تو ان کا تقرر اسلامیہ کالج پشاور میں بطور وائس پرنسپل ہوا۔ ۱۹۱۵ء میں انہیں اسی کالج کا پرنسپل بنادیا گیا۔ وائسرائے ہند لارڈ چیمسفورڈ نے اسلامیہ کالج کے دورہ کے وقت مشرقی کی لیاقت اور جرات سے متاثر ہوکر انہیں مرکزی حکومت میں بطور انڈر سیکرٹری ایجوکیشن تین سال کے لئے بلالیا اور انہیں آئی ای ایس کا کیڈر دے دیا گیا۔ تین سال بعد انہیں واپس پشاور بھجوادیا گیا۔ اس تمام اثنا میں اور بعد میں بھی المشرقی کا تعلق امرتسر سے اتنا ہی رہا جتنا اقبال کا سیالکوٹ شہر سے رہا۔ اس لئے مشرقی کا "امت مسلمہ" کے بنانے، اس کا داعی یا رکن ہونے کا کوئی ذکر ان کے کسی سوانح نگار نے نہیں کیا اور نہ ہی "امت مسلمہ" کے کسی گروہ کا ذکر اقبال کی خط و کتابت کے علاوہ اور کہیں سے سنا گیا ہے۔

اقبال کو سر کا خطاب دلانے میں مشرقی کا حصہ!

علامہ مشرقی نے مرکزی حکومت میں اپنی ملازمت کے دور کے دو واقعات جن کا

تعلق ڈاکٹر اقبال سے ہے، اپنی تصنیف "حریم غیب" کے فرہنگ میں کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔ "مصنف کو انگریزی عہد میں ۱۹۱۶ء سے ۱۹۱۹ء تک حکومت ہند کے محکمہ تعلیم میں انڈر سیکرٹری کے عہدے پر فائز ہونے کی پیشکش ہوئی۔ اس اثناء میں مصنف کے متعلق حکومت ہند نے تسلیم کیا کہ مصنف کی قابلیت کا آدمی ہندمیں نہیں آیا اور اس کا کام انتہائی طور پر تسلی بخش تھا۔ اس تمام اثنا میں مصنف کے تمام دفتر کے ساتھی "سر" کے خطاب سے نوازے گئے بلکہ بعض مثلاً ڈاکٹر اقبال، نواب ذوالفقار علی خان، سردار جوگندر سنگھ وغیرہ اس کی مدد سے "سر" بنادیئے گئے لیکن مصنف نے خود اس خطاب کو قبول نہیں کیا اور ۱۹۲۰ء میں کابل میں سفارت کے عہدے کو بھی مسترد کردیا۔" (حریم غیب صفحہ ۲۹۹)

اقبال کو ملازمت دلانے کے لئے مشرقی کی کوشش!

کتاب میں دوسری جگہ علامہ مشرقی لکھتے ہیں "مصنف نے ۱۹۱۷ء میں بحیثیت انڈر سیکرٹری گورنمنٹ آف انڈیا، حکومت کو زوردار الفاظ میں ڈاکٹر اقبال اور دو اور مسلمانوں کے متعلق لکھا کہ چونکہ صوبائی حکومتوں کا مسلمانوں کی اعلیٰ عہدوں پر تقرری کے بارے میں تعصب نہایت شرمناک ہے، مصنف کے نزدیک یہ تین اشخاص کم از کم ایسے ہیں کہ ان کو ہندوؤں کے بالمقابل اعلیٰ عہدے ملنے چاہئیں۔ اس زوردار سفارش کا جو مصنف نے انگریز کا ملازم ہونے کے باوجود کی تھی، نتیجہ یہ ہوا کہ باقی دو مسلمان اعلیٰ عہدوں پر لے لئے گئے لیکن ڈاکٹر اقبال کو نہ لیا گیا کہ ان کی ڈگریاں تعلیمی نقطہ نظر سے اچھی نہ تھیں۔ بہر نوع مصنف کی وجہ سے ۱۹۱۷ء میں مسلمانوں کو بھی اعلیٰ تعلیمی عہدوں پر مامور کیا جانے لگا اور اس کے بعد یہ سلسلہ شروع ہوگیا۔ (حریم غیب صفحہ ۳۰۳)

حریم غیب کے مندرجہ بالا اقتباس کا ثبوت ۱۹۶۴ء میں برطانوی مرکزی محکمہ تعلیم کی ایک نوٹ بک سے "المشرقی" کے مصنف ڈاکٹر محمد عظمت اللہ بھٹی کو "علامہ مشرقی ٹرسٹ" میں اتفاق سے دستیاب ہوگیا تھا جو انہوں نے نقل کرکے اپنے پاس محفوظ کرلیا۔

حریم غیب کے مذکورہ دعوے کی صداقت میں اسے ان کی کتاب المشرق کے صفحہ ۳۰۱-۳۰۰ سے یہاں نقل کیا جارہا ہے۔

COPY FROM "NOTES"
EDUCATION - A JUNE 1918

It is noticeable that out of these candidates no Mussalman has been suggested by the local Government to be good enough to fill a vacancy. Such a position if accepted by the Government of India would evidently be the case of discontent among the Mussalmans. It goes without saying that there are men of very high qualifications at present existing among the Moslems, who would fill almost any of these posts with credit. We have recently had the case of Mr. Afzal Hussain of Cambridge who gained rare honours and was recommended by the Secretary of State for an appointment. Mr. Qazi of the Punjab who is a Wrangler and was a Government State Scholar is another examples. Mirza Ali Mohammad, Khan of North-West Frontier Province is a man of high qualification and is an exceedingly successful Inspector. Dr. Iqbal of Lahore is another highly qualified man, who has already acted for sometime in the Indian Educational Service. There is a man named Mr. S.S. Alam of Cambridge on the waiting list who possesses high qualifications. I would be inclined to say that consideration

whould be given to this aspect of the question as well.

For further remarks please see statement put up. The qualifications of each man are considered there in details Educational Commissioner may be requested to advise.

INAYATULLAH KHAN
19-2-1918

"حریم غیب" کے صفحہ ۲۹۶ میں المشرق کا نواب ذوالفقار علی خان، سردار جوگندر سنگھ اور ڈاکٹر اقبال کے متعلق یہ لکھنا کہ وہ ان کی مدد سے سربنا دیئے گئے، سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان شخصیات کے آپس میں دوستانہ تعلقات ہوں نہ ہوں آپس میں رسمی تعلقات ضرور تھے جس کے متعلق علیحدہ سے تحقیق کی ضرورت ہے۔ اور صفحہ ۳۰۳ کے "حریم غیب" کے حوالہ کے متعلق بھی اس نوٹ بک کے ریفرنس سے دہلی میں ریکارڈ دیکھا جاسکتا ہے۔ بہرکیف المشرقی کی ان دونوں تحریروں اور دعووں کو جو وہ اپنی تصنیف حریم غیب میں معرض تحریر میں لاچکے ہیں کی تصدیق اہل تحقیق کے ذمہ ہے لیکن ان دعووں کو اس وقت تک صحیح تسلیم کرنا پڑے گا جب تک اس کی مصدقہ طور پر تردید سامنے نہ لائی جائے۔ مشرقی کی ان تحریروں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کی ڈاکٹر اقبال کے متعلق کوشش تھی کہ انہیں سر کے خطاب کے ساتھ سرکاری ملازمت بھی مل جائے کیونکہ اس دور میں ڈاکٹر صاحب کے مالی حالات تسلی بخش نہ تھے۔ جناب حبیب اللہ خان سعدی مرحوم (سابق رکن صوبائی اسمبلی مغربی پاکستان) اور جناب صفدر سلیمی مرحوم ایڈیٹر ہفت روزہ الاصلاح لاہور نے راقم کو علیحدہ علیحدہ ملاقاتوں میں یہ بتایا تھا کہ علامہ مشرقی کے مرکزی حکومت کے دوران ملازمت میں سرکردہ رہنما جب بھی شملہ آئے تو ان کی ملاقاتیں ہوتی تھیں اور اتوار کی چھٹی کے روز ان کی مجلسیں بھی لگتی تھیں۔ جسٹس سرشاہ سلیمان، سرضیاء الدین، ڈاکٹر اقبال، نواب ذوالفقار علی خان اور سردار جوگندر سنگھ کے نام ان دونوں مرحومین نے خاص طور پر لئے تھے۔

دہلی کی مرکزی حکومت میں مشرقی پہلے ہندوستانی ملازم تھے۔ ان سے قبل ایسے

عہدوں پر انگریز ہی متعین ہوا کرتے تھے جیسا کہ حریم غیب کے صفحہ ۲۸۱ پر انہوں نے لکھا ہے۔ "مصنف ۱۹۱۶ء میں حکومت ہند کے جلیل القدر عہدے (انڈر سیکرٹری، محکمہ تعلیم) پر فائز تھا اور پہلا ہندوستانی تھا جس کو یہ عہدہ ملا۔" ڈاکٹر اقبال کا تعلق بھی محکمہ تعلیم سے رہ چکا تھا جس کا حوالہ مشرقی نے اپنے نوٹ میں دیا ہے۔ اور یہ بات قرین قیاس ہے کہ ان کا تعلق، واسطہ، تعارف یا مراسم مشرقی سے کسی نہ کسی صورت پیدا ہوئے ہوں گے۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنے ان خطوط میں ماسٹر محمد حسین کو ان تعلقات کا حوالہ دینا اس لئے مناسب نہ جانا ہو گا کہ چوہدری صاحب ان تعلقات سے باخبر ہیں ویسے بھی اقبال ان خطوط میں مشرقی کا ذکر جس پیرائے اور جس رنگ میں کرتے ہیں ان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ان سے ذاتی طور پر ضرور واقف ہیں۔ اقبال اور مشرقی کے ایک دوسرے سے تعلقات سے قطع نظر ان کے افکار و نظریات کا تقابلی مطالعہ و موازنہ وقت کی اہم ضرورت ہے۔ یہ اگرچہ ایک بہت وسیع موضوع ہے اور اس کے لئے غیر جانبدارانہ تحقیق کی ضرورت اس لئے بھی اور زیادہ ہو گئی ہے کہ علامہ مشرقی جیسے بالغ نظر بطل اور جینئس کی علمی و فکری استعداد، وسعت نظر اور مغربی افکار پر ان کی نظر کو اقبال نے اپنے خطوط میں بالواسطہ طور پر سطحی گرداناہے۔

محترم ڈاکٹر رشید نثار نے راقم کے نام اپنے ۱۸ مئی ۱۹۹۶ء کے خط میں دونوں شخصیتوں کا موازنہ اپنے مخصوص علمی وادبی انداز میں کیا ہے جسے یہاں پیش کردیا جاتا ہے ڈاکٹر رشید نثار کی شخصیت محتاج تعارف نہیں وہ کئی کتابوں کے مصنف ہیں اور ان جیسی سنجیدہ علمی و ادبی شخصیت کو حق حاصل ہے کہ ان دو نابغہ شخصیتوں کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کریں۔ وہ لکھتے ہیں۔

اقبال اور مشرقی

"علامہ مشرقی ریاضی دان اور سائنسدان تھے۔ ان کے نزدیک اشیاء کی ماہیت شاعرانہ نہیں تھی وہ عقل دوستی کی بنا پر حقیقت مطلق کا ادراک کرتے تھے جبکہ علامہ اقبال فلسفی اور شاعر کی حیثیت سے عالم محسوسات کو حقیقت کا درجہ دیتے تھے۔ لہٰذا ان

کے ہاں "عقل" بھیس بدل کر بت سے روپ اختیار کرسکتی ہے۔ یہی نکتہ علامہ مشرقی کے پاس بھی تھا مگر انہوں نے عقل کو "عیار" نہیں کہا۔ اس پر اعتماد کرتے ہوئے قرآن کو دیکھا اور عقل کی ہم آہنگی اور سائنس کے آزاد وجود کی روشنی میں قرآن کی تشریح کی ہے۔ یہ تشریح چونکہ خالص سائنسی ہے لہٰذا کسی فلسفی یا شاعر کے لئے یہ قابل قبول نہیں لیکن علامہ مشرقی پر یہ الزام نہیں لگایا جاسکتا کہ اسے قرآن کی تشریح کا کوئی حق نہیں۔ علامہ اقبال کے مبینہ اعتراضات کی سطح Sweeping Statement تک محدود ہے۔ یقین نہیں آتا کہ اتنا بڑا آدمی ایسے اعتراضات کرسکتا ہے مگر وہ ترنگ میں آکر اگر حسین احمد مدنی کو نہیں بخشتے تو علامہ مشرقی تو اس عہد (۱۹۲۴ء) میں اتنی حیثیت نہیں رکھتا تھا۔

علامہ مشرقی کا طرز عمل اور انگریز دشمنی کسی سے پوشیدہ نہیں ہے اس لئے یہ کہنا کہ "تذکرہ" کی اشاعت میں انگریز کا پیسہ استعمال کیا گیا تھا ہم عصر Jealousy (رقابت) کے سوا کچھ نہیں ہے۔ علامہ اقبال نے "اسرار و رموز کے بارے میں علامہ مشرقی پر جو الزام لگائے ہیں انہیں ۱۹۲۴ء کے لگ بھگ دیکھ لینا چاہئے تھا مگر اب پچہتر ۷۵ سال بعد یہ کہنا کہ "تذکرہ" علامہ اقبال کے افکار کا نثری ترجمہ ہے، جھوٹ سے زیادہ کچھ نہیں۔ کیونکہ کسی عالم، فاضل اور نقاد نے علامہ مشرقی کے "تذکرہ" کو کسی کی نقل یا چربہ نہیں کہا ہے، یہ صرف مبینہ طور پر علامہ اقبال صاحب ہی کی ذہنی اختراع ہے۔ علامہ مشرقی کا "تذکرہ" جس عہد میں شائع ہوا اس وقت اس کے قاری تقریباً چھ لاکھ تھے اتنے قارئین شاید برصغیر میں کسی کتاب یا مصنف کو حاصل نہیں ہوئے۔ علامہ مشرقی اپنے ہزاروں قارئین کے خطوط کے جوابات اپنی تصنیف اشارات میں زیر بحث لائے تھے ان کی قوت عمل کا بہت بڑا ثبوت ہے۔

المشرقی بنی نوع آدم کی تقسیم کے خلاف تھے جبکہ اقبال طاقت کی سیاست پر معصوم لاشوں کے حوالے سے دوشیزہ فطرت کو زخمی کرنے کے درپے تھے ان کی سوچ آمرانہ تھی (احمد ندیم قاسمی نے بجاطور پر اعتراض کیا تھا) مشرقی نے قرآن کی تشریح آمرانہ سوچ کے حوالے سے نہیں کی۔ سائنسی انکشاف حقیقت کا ایک مضبوط ذریعہ ہے۔

آرٹ اس انکشاف کی ضمانت نہیں دیتا۔ اقبال چونکہ شاعر ہیں اس لئے وہ خارجی دباؤ کے بغیر جنوں تک پہنچ کر ایک مقصد کی تکمیل کرتے ہیں مگر وہ عقل کو قانون حسن کے تابع نہیں آنے دیتے لہٰذا ان کی مقصدیت Co-existance کے خلاف بلکہ Idiology (آئیڈیالوجی) اور تجربے کا تضاد ہے۔ سٹیٹ، سیاست اور سوسائٹی کو علامہ اقبال "جنوں" کی حد تک قبول کرتے ہیں جبکہ علامہ مشرقی سائنس اور ریاضی کے حوالے سے آئیڈیالوجی کے False شعور کی نفی کرتے ہوئے تمام انسانوں کو خاکی رنگ میں ملوس کردیتے ہیں اس طرح اقبال اور مشرقی کے راستے جدا ہو جاتے ہیں۔ علامہ مشرقی علم و عمل اور حقیقت کی جامعیت کا نام ہے۔ ایسا متحرک انسان ہمیں اپنے عہد نے دیا تھا۔ کوئی دوسرا ان جیسا ثابت نہیں ہوا۔

علامہ مشرقی صداقت کا اتحاد Classless Society میں دیکھتے ہیں۔ رشتہ زر، خود غرضی اور سوشل سٹیٹس کی تنگ ظرفی کو قانون عقل کا پابند بنا کر جنوں کے غیر انسانی دستور کو معنی اور صورت عطا کرتے ہیں وہ صرف شاعری پر اکتفا نہیں کرتے اس لئے کہ ان کا میدان شاعری نہیں ریاضیات اور سائنس ہے۔ اس کے لئے کوئی ریاضی دان اور سائنسدان ہی علامہ مشرقی پر گفتگو کر سکتا ہے۔ علامہ اقبال جیسا فلسفی نہیں کہ خود ان کے پوتے نے اب جو کہا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ساقی و ذوق صدائے چنگ علامہ اقبال کو مرعوب تھے لہٰذا ایسا شخص شاعر اور فلسفی تو ہو سکتا ہے۔ قائد، پاسبان عقل و آشتی نہیں ہو سکتا۔

علامہ اقبال بہت حد تک Mystic (صوفی منش) تھے اس لئے ان کا مقابلہ علامہ مشرقی سے نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے باوصف وہ Mystic ہو کر قانون، فقہ، انسانی فکر اور وعظ میں تفریق نہیں کرتے۔ حسن کاری ان کے اشعار میں رومی، حافظ، اور بیدل سے آئی ہے مگر ان کے افکار انسان دوستی کی روایات پیدا نہیں کرتے۔ کہ وہ خود کبھی صوفی بن جاتے ہیں اور کبھی مومن۔ وہ حجازی لے کو پسند کرتے تھے (اس لئے کہ اس کا کوئی مخالف نہیں تھا) لیکن وہ خود خرقہ تصوف ہی میں پناہ لینے پر مجبور ہوئے۔ لہٰذا حکمران طبقے سے دوستی، وعظ کی حد تک شاعری، فلسفے کو تبلیغ بنانے میں جو کچھ اقبال نے کیا ہے

اس نے ان کی تکمیل شخصیت نہیں ہونے دی۔ کسی نے انہیں قلندر کہا۔ کوئی مفکر کہتا ہے کوئی شاعر۔ اب ان کی اولاد نے بہت سے راز افشا کردیئے ہیں تو علامہ اقبال کو بحیثیت انسان دیکھنا چاہئے۔ انہیں ولی نہیں بنانا چاہئے۔

علامہ مشرقی، ولی، قلندر یا درویش نہیں تھا وہ مصلح و Refarmist تھا۔ اس کا جذبہ ٹیپو کے ساتھ لگا کھاتا تھا۔ سرسید و مرزا غلام احمد قادیانی کے ساتھ نہیں۔ اسی لئے شیخ و برہمن، ملا، واعظ اور صوفی کے خلاف علامہ مشرقی کی تحریک آج بھی زندہ ہے۔ علامہ مشرقی نے "تذکرہ" میں تفریق انسانیت کی مخالفت میں جو کچھ کہا ہے اس پر قرآن کی روشنی میں تحقیق ہونی چاہئے اور دونا بغوں کے درمیان جو فکری بعد ہے اس پر کام ہونا چاہئے اور انسان دوستی کی روایت کو قائم رکھتے ہوئے علامہ اقبال کے "ڈاگماز" جمہوریت دشمنی "وطن دشمنی، خرد دشمنی، علم دشمنی، خدا دشمنی" کا از سر نو جائزہ لے کر قرآن فہمی کی روایت کو فروغ دینا چاہئے۔ یاد رہے ہم نے قرآن کو بھلایا اور علامہ اقبال کے افکار کو قائد کا فرمان بنادیا ہے۔

علامہ مشرقی سائنس کی انفرادیت رکھنے والے مفکر ہیں۔ انہیں شاعری کی کسوٹی پر پرکھا نہیں جاسکتا کیونکہ انہوں نے اپنی فکری انفرادیت ضائع نہیں ہونے دی۔ سوائے قرآن کے انہوں نے کسی کی چوکھٹ نہیں تھامی اور سائنس کی کثرت کو انہوں نے قرآنی وحدت میں دیکھا ہے۔ تو ان کی مجرد تعمیم اور غیر شخصی حقیقت کو علامہ اقبال کے افکار کا مد مقابل بنا کر نہیں دیکھنا چاہئے۔ علامہ مشرقی کو سر شاہ سلیمان، ڈاکٹر رضی الدین صدیقی، ڈاکٹر کے افکار میں تولنا چاہئے کیونکہ ۱۹۲۴ء کے بعد ڈاکٹر رضی الدین اور سرضیاء الدین نے علامہ مشرقی کو اقبال کے افکار کا نثری ترجمہ نگار کبھی نہیں کہا۔ ان پرانے خطوط سے صرف اقبال کی اپنی صوابدید کی روشنی حاصل ہوتی ہے۔ میرا خیال ہے ان خطوط کو بھی مسخ کیا گیا ہے۔

علامہ مشرقی حقیقت پر ایمان رکھتے تھے اور بغیر دیکھے ہوئے صحیح نتائج نکال لیتے تھے۔ علامہ اقبال ایسا نہ کرسکے۔ لہٰذا ان دو بڑی شخصیتوں کے درمیان فرق یہ ہے کہ مشرقی موجودات کی طبعی ساخت سے ہوتے ہوئے قرآن تک پہنچے تھے اور اقبال جمالیاتی

ساخت تک محدود تھے۔ اسی لئے ان کی تراکیب فارسی شعراء سے ماخوذ ہیں اور افکار ٹینی سن، ورڈزورتھ، لانگ فیلو کا ترجمہ۔ لہٰذا اقبال کی سچائی جزوی ہے نہ کہ کلی۔ اس کے برعکس علامہ مشرقی کو سمجھا ہی نہیں گیا۔ ان کے خلاف بند باندھے گئے۔ حالانکہ ان کی سچائی طبیعات کے حوالے سے منکشف ہوتی تھی۔" (رشید نثار)

اقبال کے یورپ کے دورے

علامہ محمد اقبال اپنی تعلیم ختم کرنے اور وطن واپسی کے بعد دو تین مرتبہ یورپ گئے جہاں ان کی ملاقاتیں اس دور کے عظیم مشاہیر سے ہوئیں، جن میں پروفیسر سکارپا، پروفیسر جسٹلے، افغانستان کے معزول بادشاہ امان اللہ خان، مشہور فلسفی برگساں اور اٹلی کے مرد آہن ڈکٹیٹر مسولینی شامل ہیں۔ پروفیسر جسٹلے کے ساتھ اقبال کی گفتگو موسیقی اور شاعری کے بارے میں ہوئی اور انہوں نے ادب و فن کے ان دونوں شعبوں کو تعلیمی نصاب سے خارج کرنے کی تجویز کو سراہا۔ برگساں کے ساتھ ان کی گفتگو فلسفہ کے مختلف موضوعات پر ہوئی، جن میں تصور زمان و مکان بھی شامل تھا۔ انہوں نے برگساں کے سامنے لا تسبوا الدھر یعنی زمانہ کو برا مت کہو۔ زمانہ خود خدا ہے، کی حدیث (نبویؐ) پیش کی۔ مسولینی کے ساتھ ملاقات میں اقبال نے "جب شہر کی آبادی ایک حد سے تجاوز کر جائے تو مزید لوگوں کو آباد ہونے کی اجازت دینے کی بجائے دوسرا شہر آباد کیا جائے" کی حدیث مبارکہ سنائی تو مسولینی یہ حدیث سنتے ہی کرسی سے اچھل کر کھڑا ہو گیا اور اس نے کہا "کیا ہی عمدہ خیال ہے۔" اقبال بھی مسولینی سے متاثر ہوئے اور جارحیت کو حق بجانب قرار دیتے ہوئے اس کی تعریف میں نظمیں کہی ہیں جو "بال جبریل، اور ضرب کلیم کے مجموعہ ہائے کلام میں شائع ہو چکی ہیں۔

علامہ محمد عنایت اللہ خان المشرقی نے ۱۳-۱۹۱۱ء کے بعد دو مرتبہ یورپ کا سفر کیا۔ ۱۹۲۶ء میں مصر میں موتمر کا اجلاس جو ترکی میں خلافت عثمانیہ کے ختم کئے جانے کے بعد نئے خلیفہ کے تقرر کے لئے ہو رہا تھا۔ اس میں آپ کو شرکت کی دعوت دی گئی۔ اس موتمر میں انہوں نے اپنی تقریر مشہور بہ خطاب مصر، کے ذریعے انگریز کے حاشیہ بردار

خدیو مصر کو مسلمانوں کا خلیفہ مقرر کرنے کی سازش کو ناکام بنا دیا۔ قاہرہ میں قیام کے دوران انہوں نے جامعہ ازہر کے اساتذہ اور طلباء کو قرآن حکیم کی آفاقی تعلیم اور تذکرہ میں اس کی جامع تشریح و توضیح پر لیکچرز دیئے جہاں انہیں "علامہ" کے خطاب سے نوازا گیا اور اس طرح وہ "خان مشرقی" سے "علامہ مشرقی" بن گئے۔ آپ چند ماہ مصر میں قیام کے بعد عازم یورپ ہو گئے۔ جرمنی میں پروفیسر وائل کے ہاں ایک دعوت میں ان کی ملاقات اس وقت کے ابھرتے ہوئے لیڈر ہر ہٹلر سے ہوئی۔ ہٹلر نے مشرقی سے کہا "میں نے آپ کی یہ کتاب (تذکرہ جو اس وقت میز پر رکھی تھی) پڑھی ہے!" ڈاکٹر وررونوف (جو بندروں کے غدود انسانوں کے خصیوں میں لگا کر بوڑھوں کو جوان کرتا تھا) اور نظریہ اضافیت کے موجد ڈاکٹر آئن سٹائن سے بھی مشرقی کی طویل ملاقاتیں رہیں۔ علامہ مشرقی لکھتے ہیں۔ "مشہور پروفیسر آئن سٹائن سے اس کے گھر میں میری ملاقات کامل ڈیڑھ گھنٹہ تک خلاف امید رہی۔ وہ مجھ سے "تذکرہ" کے مضمون کو نہایت غور سے سنتا رہا۔ اپنی بیوی کو بھی بلا لیا کہ ہماری بحث میں شریک ہو۔ حتیٰ کہ میں چونک پڑا جب اس بیدار مغز اور دنیا کے سب سے بڑے ماہر فلکیات نے مجھے اپنا بیان شروع کرنے سے پہلے اپنی ٹوٹی پھوٹی انگریزی کے چند لفظوں میں بتلا دیا کہ "مذہب کیا ہے۔" اس کے آنے کا منشا روئے زمین پر کیا تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے (کیونکہ پروفیسر آئن سٹائن یہودی تھا) دنیا کو کیا مذہب دیا تھا؟ اور اگر تذکرہ میں اس امر کی تشریح ہے کہ قوموں کے عروج و زوال کا کیا قانون ہے اور قرآن نے دنیا کو کیا تعلیم دی تو تذکرہ میں یہ لکھا ہو گا! میں حیران رہ گیا کہ یہ شخص دنیا کا سب سے بڑا سائنٹسٹ ہے جو آج تک پیدا ہوا۔ اس کو مذہب سے کوئی سروکار تمام عمر نہیں رہا۔ لیکن مذہب کے متعلق وہ شئے بیان کرتا ہے جس کو میں نے اپنے تمام عمر کے قرآن کے مطالعے سے اخذ کیا! خیر اگرچہ ہم مذہب کے بارے میں متفق ہو گئے اور حضرت موسیٰ کی "آتشیں شریعت" کے پیرو نے بھی رسول خدا کا فاران کی چوٹیوں سے چالیس ہزار سپاہیوں کی معیت میں نکلنا سمجھ لیا تھا اور جہاد بالسیف کی اہمیت "اعتقاداً" بھی اس کے ذہن میں تھی لیکن ڈیڑھ گھنٹہ کی بحث کے باوجود Peace-Peace یعنی امن امن کا حامی

رہا............ اس عظیم الشان شخصیت پر میری تقریر کا اثر صرف اس قدر ہوا کہ دوست بن گیا مگر اپنی جگہ سے ایک انچ نہ ہٹا (الاصلاح ۳ مئی ۱۹۳۵ء)

ہٹلر کے ساتھ دوسرے دورہ یورپ میں ملاقات:۔

ہٹلر کے ساتھ مشرقی کی دوسری ملاقات ۱۹۲۸ء میں ہوئی جب وہ اپنے گلے کی خرابی کا علاج کرانے کے لئے یورپ گئے۔ اس مرتبہ وہ تین ماہ تک ہٹلر کے پاس مقیم رہے اور تذکرہ کی قرآنی اور آفاقی تعلیم اسے سمجھاتے رہے۔ ہٹلر کے ساتھ دوسری ملاقات اور اس کے پاس تین ماہ ٹھہرنے کا احوال انہوں نے ستمبر ۱۹۶۲ء میں راولپنڈی میں روزنامہ "ہمارا پاکستان" پشاور کو ایک انٹرویو میں بتایا جو اس اخبار کے اکتوبر کے کسی شمارہ میں شائع ہوا۔

علامہ مشرقی یورپ کے اعلیٰ تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود امکان کی آخری حد تک صرف قرآن اور حامل قرآن سے متاثر تھے اور اس بات کا اظہار انہوں نے فخریہ طور پر اپنی ہر تصنیف میں کیا ہے۔

اقبال کے خواب

اس حقیقت سے چشم پوشی ممکن نہیں کہ اقبال مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کے خواب دیکھا کرتے تھے اور اپنے خوابوں کی من پسند تعبیر حاصل کرنے کے لئے وہ شعروں، شکووں، تقریروں اور خطبوں سے قوم کو عملی تگ و دو کے لئے تیار کرنا چاہتے ہیں۔ ان کے برعکس مشرقی نے قوم میں سیادت و قیادت کا ملکہ سلیم اور نظم و ضبط پیدا کرنے کے لئے عسکری تربیت کے عملی پروگرام کا آغاز کیا۔ اس مشکل پروگرام پر خود عمل پیرا ہوئے اور قوم میں اخوت و مساوات کے جذبات بیدار کرنے کے لئے مزدوروں کا نشان بیلچہ اٹھا کر میدان میں آگئے۔ اپنے اس بے مثال عمل سے انہوں نے لاکھوں انسانوں کو متاثر ہی نہیں کیا بلکہ انہیں اسلام کی عسکری زندگی اختیار کرنے پر مجبور بھی کردیا۔ مشرقی میدان عمل کے شہسوار تھے جبکہ ڈاکٹر اقبال بقول خود گفتار کے غازی ہی رہے۔

برٹش سامراج، استعمار اور استبداد سے بزور آزادی حاصل کرنے، قوم کی

وحدت اور سربلندی اور اس کے کردار میں عظمت پیدا کرنے کے لئے اپنی عملی جدوجہد کے علاوہ اپنے علمی و نظری افکار کے ذریعے بھی مشرقی نے جو تعلیم قوم کو دی یا جو علمی نظریات دنیا کے سامنے پیش کئے ان میں پختگی ہے۔ باقاعدگی ہے۔ تسلسل ہے۔ ربط ہے۔ ضبط ہے۔ نظم ہے اور توازن ہے۔ ان کی تحریروں میں کوئی تضاد یا جھول نہیں۔ جبکہ اقبال اپنے افکار کی دنیا میں تضادات کا شکار ہی رہے اور ان کی عملی سیاست کی زندگی میں مسلم لیگ اندرونی طور پر دو یا تین حصوں یں تقسیم ہو چکی تھی۔ تصور پاکستان اور لفظ "پاکستان" کے خالق بھی چوہدری رحمت علی تھے اور اقبال کی زندگی ہی میں وہ "اب یا کبھی نہیں" (NOW OR NEVER) کے کتابچہ میں پاکستان کے متعلق اپنے نظریات بمعہ پاکستان کے نقشہ کے پیش کر چکے تھے۔ جبکہ اقبال نے تصور پاکستان یا لفظ پاکستان کے متعلق اپنے نثری یا شعری کلام میں کوئی خیال آرائی نہیں کی۔ ۱۹۳۰ء کے خطبہ الہ آباد میں بھی شمال مغربی ہندوستان (سرحد، سندھ، بلوچستان اور پنجاب، انبالہ ڈویژن اور دیگر ہندو اکثریت کے اضلاع نکال کر) کی برطانوی ہندوستان کے اندر یا باہر اسلامی ہندوستان کی تجویز پیش کی اور بنگال و آسام کے مسلم اکثریتی علاقوں کے مستقبل کے متعلق کوئی منصوبہ پیش نہیں کیا۔ اس کے باوجود سیاسی طالع آزماؤں نے سیاسی مفاد پرستی کے لئے چوہدری رحمت علی کی جگہ اقبال کو مصور پاکستان بنا کر غلط طور پر یہ مشہور کر دیا کہ اقبال نے پاکستان کا خواب دیکھا تھا اور انہوں نے ہی پاکستان کا تصور پیش کیا تھا۔

حالانکہ علامہ اقبال خود اس کی تردید کر رہے ہیں۔ اپنے خط مورخہ ۴ مارچ ۱۹۳۴ء بنام ایڈورڈ تھامپسن لکھتے ہیں:-

> "میری کتاب پر آپ کا تبصرہ ابھی ابھی موصول ہوا ہے یہ نہایت اعلیٰ پایہ کا ہے............ لیکن آپ سے ایک غلطی سرزد ہوئی ہے جس کی طرف آپ کی توجہ فوراً مبذول کرانا چاہتا ہوں کیونکہ میرے خیال میں یہ ایک سنجیدہ غلطی ہے۔ آپ مجھے "نظریہ پاکستان" کا حامی قرار دیتے ہیں۔ مگر "پاکستان" میرا منصوبہ نہیں ہے۔ میں نے اپنے خطبہ صدارت

میں جو تجویز پیش کی تھی وہ صرف ایک مسلم صوبہ کی تشکیل ہے یعنی ہندوستان کے شمال مغرب میں ایک ایسا صوبہ جس میں مسلمانوں کی غالب اکثریت ہو۔ یہ نیا صوبہ میرے منصوبے کے مطابق مجوزہ ہندوستانی وفاق کا ایک حصہ ہوگا۔ جبکہ "نظریہ پاکستان" میں مسلمانوں کے ایک جداگانہ وفاق کی تجویز رکھی گئی ہے جو براہ راست انگلستان سے مربوط ایک علیحدہ ریاست ہو۔ یہ منصوبہ کیمرج میں پیدا ہوا۔"

(کلیات مکاتب اقبال جلد سوم صفحہ ۴۷۲)

اقبال بالطبع شاعر تھے اور اچھے شاعر تھے اور بحیثیت ایک شاعر بظاہر انانیت و خود پسندی کے مظہر اور فقر و غنا کا روحانی پیکر لگتے ہیں۔ علامہ مشرقی شہنشاہی میں فقر کی بات کرتے ہیں تو علامہ اقبال خودی اور فقر کی شہنشاہی کا صوفیانہ درس دیتے نظر آتے ہیں۔

خودی ہو زندہ تو ہے فقر بھی شہنشاہی نہیں ہے سنجر و طغرل سے کم شکوہ فقیر!

فقر کی اس شہنشاہی کے سامنے سنجر و طغرل کی سلطانی کی ہیبت اور شان و شکوہ تو ایک طرف وہ خودی کی قوت سے یزداں کو بھی تسخیر کرکے "بہ کمند آورد" لے آتے ہیں اور اسی شاعرانہ جذبہ اور لے میں پکار اٹھتے ہیں ۔

خودی کی جلوتوں میں گم رہا میں خدا کے سامنے گویا نہ تھا میں
نہ دیکھا آنکھ اٹھا کر جلوہ دوست قیامت میں تماشا بن گیا میں

خودی کے اس وحدت الوجودی تصور اور فقر کی شہنشاہی کے باوجود ان کی زندگی کا یہ پہلو انسان کے لئے باعث حیرت و تعجب بن جاتا ہے،جب وہ فقر کی شہنشاہی میں احتیاج کے ہاتھوں عاجزانہ روش اختیار کرتے نظر آتے ہیں۔ ان کی زندگی کا آخری حصہ باوجود کتابوں کی اچھی رائلٹی ملنے کے مالی لحاظ سے ان کے حالات بہتر نہ ہو سکے۔ اس کی وجہ چاہے جاوید منزل کی تعمیر ہو یا ان کا شاہانہ طور طریقوں سے بسر ہونے والا معیار زندگی ہو لیکن یہ ایک افسوس ناک حقیقت ہے کہ ان کی زندگی کے آخری چند برس تو مسلمان والیان ریاست کے وظیفوں ہی کے مرہون منت رہے۔

سر راس مسعود کے نام خط

۳۰ مئی ۱۹۳۵ء کو اقبال سر سید احمد خان کے پوتے سر راس مسعود کو لکھتے ہیں۔
"آپ کا والا نامہ ابھی ملا ہے۔ میں کس زبان سے اعلیٰ حضرت (والی بھوپال) کا شکریہ ادا کروں۔ انہوں نے ایسے وقت میں میری دستگیری فرمائی جبکہ میں چاروں طرف سے آلام و مصائب میں محصور تھا۔ خدا تعالیٰ ان کی عمر و دولت میں برکت دے۔ .... یہ عریضہ اعلیٰ حضرت کو سنا دیجئے۔ میں خود حاضر ہو کر شکریہ ادا کروں گا۔ اب میری درخواست صرف اس قدر ہے کہ احکام اس پنشن کے تو جاری ہو چکے ہیں، سرکار عالی اپنے ہاتھ سے بھی اس مضمون کا ایک خط مجھے لکھ دیں جو آپ نے مجھے لکھا ہے۔ یہ خط میری اولاد میں بطور یادگار رہے گا اور وہ اس پر فخر کریں گے۔"

۱۵ جون کو انہوں نے سر راس مسعود کو پھر یاد دہانی کا خط لکھا۔ ۲۴ جون ۱۹۳۵ء کے خط میں مطلوبہ تحریر کے ملنے کی اطلاع دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"آپ کا خط مل گیا ہے اور اعلیٰ حضرت کا والا نامہ بھی موصول ہو گیا ہے۔ جسے میں نے سادہ اور خوبصورت فریم میں لگا دیا ہے۔" (اقبال نامہ ص ۲۶۲-۲۶۵)

۱۹۱۵ء میں اسرار خودی شائع ہوئی جس میں مسلمانوں کو ۔

گرچہ باشی تنگ روز و تنگ بخت ۔۔۔ در رہ سیل بلا افگندہ رخت
رزق خویش از نعمت دیگر مجو ۔۔۔ موج آب از چشمہ خاور مجو
تانباشی پیش پیغمبر خجل ۔۔۔ روز فردائے کہ باشد جاں گسل

کا کردار ساز سبق دیتے ہوئے اپنے احتیاج کے مصائب و آلام میں پانچ سو روپے ماہوار وظیفہ کے نواب بھوپال کے ہاتھوں سے پینشن عطا کرنے کے خط کو فریم میں سجانے کے لئے دست طلب دراز کرتے نظر آتے ہیں تاکہ اعلیٰ حضرت والئی بھوپال کا یہ والا نامہ ان کی اولاد کے لئے یادگار رہے اور وہ اس پر فخر کرتے رہیں!

تر جبیں از خجلت سائل نشد ۔۔۔ شکل آدم ماند و مشت گل نشد

علامہ اقبال دو تین برس سے بیمار چلے آرہے تھے اور صاحب فراش تھے اس بیماری کی وجہ سے ان کی رہی سہی عملی زندگی بھی ختم ہو کر رہ گئی اور آخر ۲۱ اپریل ۱۹۳۸ء کو شاعری کا یہ بے مثل روشن چراغ بجھ گیا۔ ڈاکٹر محمد اقبال قوم کو داغ مفارقت دے کر رخصت ہو گئے، اور سارے ملک میں صف ماتم بچھ گئی۔

ان کی وفات پر علامہ مشرقی نے ۲۹ اپریل ۱۹۳۸ء کے جریدہ الاصلاح میں انہیں خراج تحسین پیش کرتے ہوئے لکھا۔

آہ! ڈاکٹر محمد اقبال

"شاعری سے مجھے کسی زمانے میں ایک ہزار دیوان نوک زبان ہونے کے باوجود کچھ رغبت نہیں۔ میں لکھ چکا ہوں کہ جو قوم اپنے اندر بڑے شاعر پیدا کر رہی ہے وہ بڑے زوال کے چکر میں ہے۔ محترم علامہ اقبال صرف شاعر نہ تھے بلکہ شاعری کو پیغمبری کا جز سمجھ کر اس کو بڑا روحانی عمل یقین کرتے تھے۔ اس ذوق یقین نے قوم میں اثر پیدا کیا اور آج جبکہ ان کی روح والہانہ طور پر طلب ثواب کے لئے رب ذوالجلال کے عرش کے سامنے کھڑی ہے آؤ ہم سب اس مداح دین رسول ؐ کے لئے نہ صرف مغفرت کی دعا مانگیں بلکہ گڑگڑا کر اس کے لئے طلب اجر کریں کیونکہ محترم اقبال ایک نایاب انسان تھے جو قوم کے دل پر ادنیٰ سازخم ہی سہی لگا کر گئے۔ اب قوم کا کام ہے کہ اس کی تعلیم پر عمل کر کے اس کی روح کو خوش کرے۔

عنایت اللہ خان المشرقی

علامہ مشرقی، ڈاکٹر اقبال کی وفات حسرت آیات کے پچیس برس بعد تک اپنی تگ ودو اور جدوجہد میں لگاتار مصروف رہے۔ قید و بند کی صعوبتیں سہیں، شاہی قلعہ لاہور اور میانوالی کی جیل میں انہیں جسمانی اور ذہنی اذیتیں دی گئیں اس رہنما اور عظیم سکالر کو ہتھکڑیاں لگا کر بازاروں میں رسوا کیا گیا اور پھانسی کا پھندا تک بھی ان کے لئے تیار کیا گیا لیکن وہ ان تمام صعوبتوں عقوبتوں اور مصیبتوں سے بے نیاز اپنی لگن میں

مست قوم کو تنظیم، اتحاد، اخوت اور غلبہ کا درس دیتے رہے۔ ۲۷ اگست ۱۹۶۳ء کو اپنے خالق حقیقی سے جا ملے اور علم و عمل کا سورج غروب ہو گیا۔

مشرق کے یہ دونوں سپوت اقبال اور مشرقی اپنے اپنے حصے کا کام کر کے رخصت ہو چکے ہیں۔ قوم ان کے دیئے ہوئے پروگرام کو قریباً قریباً فراموش کر چکی ہے سیاسی طالع آزما، مذہبی اور روحانی پیشوا اپنی اغراض و مفادات کے حصول اور سیادت و قیادت کو قائم رکھنے کے لئے علامہ اقبال کی ذات کو اب بھی استعمال کر رہے ہیں جبکہ علامہ مشرقی آج بھی اغراض کے بندوں اور مفاد پرستوں کی آنکھ کا کانٹا بنے ہوئے ہیں۔ انہوں نے مولوی کے "غلط مذہب" کے بخئے ادھیڑے، سیاہ کار لیڈروں کے سیاہ کارناموں کو آشکارا کیا۔ مطاعوں اور مطیعوں، مریدوں اور مرادوں کی باطل سرپرستی کے غلاف اتار کر "حقیقت" کی پردہ نشین اور تاب کھسل، حسن سے مزین اور تجلی سے بے نیاز عروس کی ایک جھلک دکھلادی تھی قرآن حکم کے متعلق جو بات واقع الامر ہے اس کو سچ کہہ دیا تھا۔ جو جھوٹ ہے اس کو چھپا کر نہیں رکھا۔ جو شہادت ہے اس کو من و عن کھول کر رکھ دیا، جو فکر ہے اس کے بخئے ادھیڑ کر رکھ دیئے انہوں نے ملت کے سامنے جو پروگرام بھی پیش کیا اس پر خود پہلے عمل کر کے دکھایا۔

مغرب کی سامراجی طاقتوں، قابوچی ساہوکاروں اور ان کے جی حضوری کاسہ لیسوں کے لئے علامہ مشرقی کا آفاقی پیغام و پروگرام پیام موت ہے۔ جس دن قوم نے المشرقی کے پیغام عمل کو سینے سے لگایا اس کی رات کو دن میں بدلنے میں دیر نہیں لگے گی اور وہ دن سامراجی طاقتوں کے شرمناک ہتھکنڈوں سے نجات کا دن ہو گا۔

اکیسویں صدی طلوع ہو رہی ہے

یہ صدی علم و عرفان کی صدی ہے۔ تسخیر کائنات کی صدی ہے۔ علامہ مشرقی کی صدی ہے۔ علامہ مشرقی کے پیام کے عام ہونے کی صدی ہے یورپ کے مفکر و دانشور تذکرہ کو یادگار شہکار اقرار دیکر اسے تمام دنیا کی قوموں کے لئے ایک مستقل دستور العمل اور خدائی معاشرت کا ناقابل رد لائحہ عمل پہلے ہی کہہ چکے ہیں۔

سکتی، ذہنی اور ذوقی انسانیت آج یورو امریکی سفید سامراج کے سرمایہ دار سیاستدانوں کی مہذب شیطنیت و خباثت اور مکروفریب کی جالوں سے عاجز آکر دم توڑ رہی ہے اور اس کی نجات اسی خدائی معاشرت کے لائحہ عمل پر عمل پیرا ہونے میں ہے۔

مری حکمت رہے گی چل کے ہر گوشے میں دنیا کے
مگر رک رک کے سمجھے گا بشر آخر پناہ یہ ہے
(المشرقی)

اظہار تشکر

میں جناب ڈاکٹر رشید نثار صاحب راولپنڈی اور خواجہ عبدالحمید ناصر سیالکوٹ کی علمی رہنمائی اور عملی تعاون کا ممنون ہوں جس کی وجہ سے یہ تصنیف تکمیل کو پہنچی۔ (خاکسار غلام قدیر خواجہ)

کتابیات

تذکرہ جلد اول ــــــــــــــــ علامہ محمد عنایت اللہ خان المشرقی

خریطہ ــــــــــــــــ علامہ محمد عنایت اللہ خان المشرقی

حدیث القرآن ــــــــــــــــ علامہ محمد عنایت اللہ خان المشرقی

تکملہ جلد اول و دوم ــــــــــــــــ علامہ محمد عنایت اللہ خان المشرقی

اسرار و رموز ــــــــــــــــ ڈاکٹر محمد اقبال

بانگ درا ــــــــــــــــ ڈاکٹر محمد اقبال

ضرب کلیم ــــــــــــــــ ڈاکٹر محمد اقبال

بال جبریل ــــــــــــــــ ڈاکٹر محمد اقبال

پیام مشرق ــــــــــــــــ ڈاکٹر محمد اقبال

کلیات مکاتیب اقبال ــــــــــــــــ مرتبہ سید مظفر حسین برنی

خطبہ الہ آباد ۱۹۳۰ء ــــــــــــــــ ڈاکٹر محمد اقبال

اقبال کا علم کلام ــــــــــــــــ سید علی عباس جلالپوری

المشرق ــــــــــــــــ ڈاکٹر محمد عظمت اللہ بھٹی

المشرق ــــــــــــــــ ڈاکٹر رشید نثار

اقبال نامہ ــــــــــــــــ مرتبہ شیخ عطاء اللہ

تبرکات آزاد ــــــــــــــــ مرتبہ غلام رسول مہر

تذکرہ ــــــــــــــــ شیخ الفاضل ابوالکلام آزاد

حیات محمد ــــــــــــــــ محمد حسین ہیکل

خاکسار تحریک کی جدوجہد ــــــــــــــــ ماسٹر شیر زمان صاحب

روزگار فقیر حصہ دوم ــــــــــــــــ فقیر سید وحید الدین

الفیصل
ناشران و تاجرانِ کتب
اردو بازار لاہور

969-503-070-X